ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

November 2025

مُدیرِمَسئول

مولانا محمّد عرفان ثاقِب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمّد صغیرؔ قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی و اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۳) جمادی الاول: ۱۴۴۷ھ، مطابق نومبر ۲۰۲۵ء شمارہ (۵)

مدیر مسئول

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی و مہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ و صدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:

فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالت کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط و کتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر: محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریر خامہ		
پیغام انسانیت	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)
درس قرآن		
تفسیر سورۂ قلم	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۵)
مقالات ومضامین:		
اسلامی نکاح	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۷)
انسانیت کے خیر خواہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی	(۹)
قرآن مجید کے حقوق...	فضل الرحمن اصلاحی	(۱۵)
علماء اور عوام کے درمیان ربط	رفیع الدین حنیف قاسمی	(۱۹)
آزادی نسواں کا نمونہ..	مولانا عبد الماجد دریابادیؒ	(۲۳)
کفر کی دہلیز پر ایمان کی حفاظت	مولانا محمود الحسن مدراسی	(۲۵)
اختلاط مرد وزن کے نقصانات	مولانا محمد اقبال گجرات	(۲۹)
نوجوان اور رقص	مولانا امداد اللہ انور صاحب	(۳۳)
فقہ وفتاوی	ادارہ	(۴۰)
واقعات وحکایات	ابوصفی قاسمی	(۴۲)
افسانہ		
قصہ چہار درویش	میر امن دہلوی	(۴۳)
طب وصحت		
گاجر: دل اور ڈپریشن کا علاج	ریحان احمد	(۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

پیغامِ انسانیت

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

ہمارا ملک ہندوستان مختلف مذاہب اور مختلف تہذیبوں کا ہمیشہ گہوارہ رہا ہے۔ یہاں کی بھائی چارگی، یکجہتی اور رواداری بے مثال رہی ہے۔ ہم دردی، غمگساری اور نرم مزاجی یہاں کی تہذیب رہی ہے۔ مختلف مذاہب والے اپنے مذہب اور تہذیب پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ دوسرے مذہبوں اور تہذیبوں کا خیال رکھتے رہے ہیں، نہ کسی تہذیب کا کبھی دوسرے کی تہذیب سے تصادم ہوا اور نہ کبھی کسی کا مذہب دوسرے مذہب سے برسرپیکار ہوا۔

مذہبی اختلافات کو سب سے پہلے انگریز نے ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی کے تحت ہوا دی، ہندو مسلم کی تفریق کی اور ایک کو دوسرے سے برسرپیکار کرنے کی کوشش کی۔ انگریز کے جانے کے ساتھ اس کی طرف سے فضا میں گھولے ہوئے مذہبی منافرت کے زہر کو بھی ختم ہو جانا چاہئے تھے اور یہاں کی گنگا جمنی تہذیب کو ایک مرتبہ پھر اپنی پوری رعنائی و دلکشی کے ساتھ واپس آجانا چاہئے تھے، لیکن افسوس ایسا نہ ہوا۔

کچھ ایسی فرقہ پرست تنظیمیں وجود میں آگئیں، جنہوں نے انگریزوں کے ایجنڈے پر کام کرتے ہوئے مذہبی منافرت کے فروغ ہی کو اپنا مقصد بنا لیا۔ پھر ان کو ایسی طاقت ملی کہ ہندو مسلم کے بیچ تفریق کی جو دیوار ہزار کوشش کے باوجود انگریز سو، ڈیڑھ سو سال میں قائم نہ کر سکا تھا، یہ تنظیمیں صرف پچاس، ساٹھ سال میں اس کو قائم کرنے میں کامیاب دکھائی دے رہی ہیں۔

جو لمحۂ فکریہ ہے وطن عزیز سے محبت کرنے والوں کے لئے، یہاں کی گنگا جمنی تہذیب کی آبیاری کرنے والوں کے لئے، یہاں کے سیکولر نظریات کی بقاء کی کوشش کرنے والوں کے لئے، یہاں کی بھائی چارگی اور یکجہتی کو فروغ دینے والوں کے لئے کہ ان کی ساری کوششیں رائیگاں جا رہی ہیں، اور ملک کی قدیم تہذیب، یہاں کے سیکولر نظریات اور بھائی چارگی کے ماحول کو بدلنے کی کوشش کرنے والے کامیاب نظر آرہے ہیں۔

اس وقت محبین وطن کی صرف اتنی ہی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنے نظریات کو فروغ دیں، بلکہ ان پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ مذہبی منافرت پھیلانے والوں اور بھید بھاؤ کی سیاست کرنے والوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں،

ان کے گھولے ہوئے زہر سے مسموم فضا کو پاک وصاف کریں، محبت واخوت کے شجر کی آبیاری کریں، فرقہ پرستی، مذہبی دہشت گردی، ظلم وتعدی، اختلاف وانتشار اور عدم برداشت کے نقصان سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے، انسانی مساوات، رواداری، تحمل وبردباری اور اتحاد واتفاق کی تلقین کریں، انسانی بنیادوں پر ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا درس دیں اور پیغامِ انسانیت کو عام کریں۔

داعی امت ہونے کی حیثیت سے دیگر اقوام کے مقابلے میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو اچھائی کی، حسنِ سلوک کی، ایک دوسرے کی خیرخواہی وہمدردی کی دعوت دیں اور برائیوں سے، نفرت وعداوت سے، ظلم وتعدی سے روکیں۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (آل عمران: ۱۱۰)

(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو، جو لوگوں کے فائدے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو۔)

لیکن یاد رہے کہ دعوت اسی وقت موثر ہوتی ہے جب داعی خود ان باتوں پر عمل پیرا ہو، جن کی وہ دعوت دے رہا ہے، اس لئے ہم پر یہ بھی لازم ہے کہ محبت واخوت کی دعوت دینے سے پہلے ہم اپنا محاسبہ کریں اور اپنے معاشرے کا بھی جائزہ لیں کہ خود مسلمان اپنے خدا اور رسول کی تعلیمات پر کس قدر عمل پیرا ہے، اخوت وبھائی چارگی کا جذبہ اس میں کس قدر موجزن ہے اور انسانی ہمدردی کی بنیادیں اس کے اندر کتنی گہری ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ہم دوسروں کو اس کی دعوت دینے جائیں تو وہ کہہ دے کہ اپنے گریبان کو دیکھئے۔

الحاصل ہمیں لوگوں کو خیر کی، بھلائی کی، مساوات کی دعوت دینا ہے، لیکن اس سے پہلے اپنے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے اخلاق وکردار کو سنوارنا ہے، اپنے معاشرے میں خیر وبھلائی کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ ضرورت مندوں، کمزوروں، یتیموں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا ماحول بنانا ہے، نئی نسل کو لڑائی جھگڑے، آوارہ گردی، بے راہ روی سے بچا کر مہذب، بااخلاق وباکردار تعلیم یافتہ شہری بنانا ہے، یہی ہمارے مذہب کی تعلیم ہے، یہی انسانیت کا پیغام ہے اور اسی تعلیم کو عام کرنے میں ہماری اور ہمارے ملک کی فلاح وبہبود ہے۔

درس قرآن کریم

سُوْرَةُ الْقَلَمِ

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ ○ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ ○ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ○ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ ○

ترجمہ:

اور تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے بے قدر کا، طعنے دے چغلی کھاتا پھرے، بھلے کام سے روکے حد سے بڑھے بڑا گنہگار، اجڈ ان سب کے پیچھے بدنام۔

تشریح وتفسیر

''وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ ○'' (اور تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے بے قدر کا)

''حَلَّاف'' سے مراد ہے بکثرت جھوٹی قسمیں کھانے والا۔ اور ''مَهِیْن'' سے مراد ہے حقیر، بروزن فعیل مہانت بمعنی حقارت سے مشتق ہے۔ مہانت کا اصل معنی ہے'' رائے اور فہم کی کمی''۔ (مظہری) مطلب یہ ہوا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کسی جھوٹی قسمیں کھانے والے، حقیر ذلیل و بے قدرے کی باتیں نہ مانیں۔ بات بات پر قسمیں کھانا، جھوٹے اور ذلیل ہونے کی دلیل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ویسے بھی کسی ایسے شخص کی اطاعت نہیں کر سکتے تھے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب بنایا گیا، اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے لوگوں کی بات ماننے سے منع کیا گیا، تو دوسرے لوگوں کو تو بدرجہ اولی ایسے لوگوں سے دور رہنا چاہئے اور ان کی باتوں کو نہیں ماننا چاہئے۔

جو کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ستانے میں پیش پیش رہتے تھے، ان میں ایک ولید بن مغیرہ بھی تھا، یہ بڑا بدذات تھا اس کی بدذاتی یہ تھی کہ جھوٹا، بات بات پر قسمیں کھانے والا، چغل خور، نیک کاموں سے روکنے والا، بدمزاج، سرکش حرامی تھا۔ مال و اولاد کا بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ اپنی امارت و ریاست کے نشہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کو حقیر سمجھتا تھا اور اپنی حکومت کی کوشش کرتا تھا کہ میرا کہنا مانیں، عدول حکمی نہ کریں، توحید و خدا پرستی سے باز آجائیں، اس لیے خاص طور پر اس آیت کریمہ میں اس کی اطاعت سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو منع کیا گیا۔ (جب کہ اس سے پہلے کی آیت میں عام کفار کی اطاعت سے منع کیا گیا تھا، اگرچہ) آپ خود بھی اس کی

اطاعت کرنے والے نہیں تھے، مگر تاکیداً حکم دیا اور اس کا نام نہیں لیا۔ (حقانی) تاکہ دوسرے لوگوں کو تنبہ رہے اور اس سے دور رہیں۔

حضرت قتادہ کی یہی رائے ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ منذر نے بروایت کلبی اور ابن ابی حاتم نے بروایت سعدی بیان کیا کہ اس آیت کا نزول اخنس بن شریق کے متعلق ہوا۔ بغوی نے عطاء کا بھی یہی قول نقل کیا ہے لیکن حسب نقل ابن ابی حاتم مجاہد قائل تھے کہ اس کا نزول اسود بن یغوث کے بارے میں ہے۔ (مظہری)

بہر حال آیت کریمہ میں کسی کا نام نہیں لیا گیا ہے، بلکہ اوصاف رذیلہ بیان کر دیے گئے، تاکہ لوگوں کو ایسے اوصاف سے نفرت ہو اور لوگ ایسے افراد سے دور رہیں جو ان اوصاف والے ہوں اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ایسے اوصاف کا شخص اس قابل نہیں کہ اس کی کوئی اطاعت کرے اور اس کو سردار بنائے۔ اس حقیر و ذلیل شخص کے مزید اوصاف رذیلہ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ۝ (طعنے دے چغلی کھاتا پھرے) یعنی یہ شخص جھوٹا اور ذلیل ہونے کے ساتھ بدخصلت بھی ہے کہ لوگوں کو برا بھلا کہتا ہے، حسب و نسب، اخلاق، صورت و سیرت کے بارے میں لوگوں پر طعن و تشنیع کر کے ایذا پہنچاتا ہے اور چغل خوری کرتا ہے، تاکہ ایک کو دوسرے سے لڑا دے۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ (بھلے کام سے روکے حد سے بڑھے بڑا گنہگار) یعنی خود برائیوں میں اس طرح مبتلا ہے کہ کسی اچھے کام کی توفیق نہیں ہوتی، آگے بڑھ کر اس کی خباثت یہ ہے کہ یہ دوسروں کو بھی نیک کام کرنے سے منع کرتا ہے، چنانچہ اس کا حال یہ تھا کہ اس کا کوئی متعلق، خواہ اولاد ہو یا نوکر، اگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آتا تو یہ اسے دھمکاتا، کہ کھانا بند کر دوں گا۔ بڑا ظالم ہے، لوگوں کے حقوق تلف کرتا ہے۔ مزدور سے کام لے کر بغیر مزدوری دیئے مار پیٹ کر نکال دیتا۔ بدکار ہے، شراب پینے والا، زنا اور لواطت کرنے والا ہے۔

عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ (اجڈ ان سب کے پیچھے بدنام) یعنی سرکش، اڑیل، بدمزاج اور کسی کی بات نہ ماننے والا۔ پھر ان سب عیبوں کے مستزاد یہ کہ ولد الزنا اور حرامی ہے۔ ولید کو اٹھارہ برس کے بعد اس کے باپ مغیرہ نے کہا تھا کہ یہ میرے نطفہ سے ہے۔ حرامی اولاد میں خیر و برکت، شجاعت و حمیت کم ہوتی ہے۔ نطفے میں ضرور ایک نیک و بد اثر ہوتا ہے۔ علاوہ صحت و مرض جسمانی کے حلالی حرامی ہونے کا بھی ایک اثر ضرور نمایاں ہوتا ہے۔ امام شعبی نے زنیم کے معنی شریر کے بھی بیان کئے ہیں۔ حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اس کے ولید کے زنیم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی گردن میں رسولی تھی جس سے وہ پہچانا جاتا تھا۔ جس میں ان باتوں میں سے ایک بھی ہو وہ بھی قابل نفرت ہے اس کی اطاعت کیسی! چہ جائیکہ اس میں اس قدر عیب ہوں۔ معاذ اللہ (حقانی)

مقالات ومضامین

اسلامی نکاح

مولانا عرفان ثاقب قاسمی

الحمدللہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، امابعد:

اسلامی نکاح: پسند، اجازت اور اسراف سے پاک زندگی کی راہ:

نکاح سنت بھی ہے اور انسانی وفطری تقاضا بھی، جس کو شریعت نے انتہائی آسان بنایا ہے، لیکن افسوس کہ معاشرہ اسے رسومات وغیر شرعی لوازات میں الجھا کر دن بدن مشکل بنا تا جارہا ہے، جس کا لازمی نتیجہ بے راہ روی کی صورت میں ظاہر ہورہا ہے، اس لیے کہ جب کوئی شخص اپنی فطری ضرورت پوری کرنے کے لیے جائز راستے بند پائے گا تو اس کے دل میں ناجائز راستوں کی طلب پیدا ہوگی، جو انجام کار معاشرے کے بگاڑ کا ذریعہ بنے گی۔

نکاح کے بابرکت بندھن پر بے شمار رسومات، تقریبات، اور فضول اخراجات کے ایسے بوجھ لاد دیے گئے ہیں کہ ایک غریب بلکہ متوسط آمدنی والے شخص کے لیے بھی وہ ایک ناقابل تسخیر پہاڑ بن کر رہ گیا ہے اور اس میں اکثر اور بیش تر ایسی رسومات کا ارتکاب کیا جاتا ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ہندوانہ اور غیر اسلامی رسمیں ہیں، جن پر شریعت میں سخت وعیدیں وارد ہیں۔

نکاح اسلام میں محض ایک دنیاوی معاہدہ نہیں بلکہ ایک مقدس عبادت ہے، جس کے ذریعہ خاندان وجود میں آتے ہیں، معاشرہ پاکیزہ بنتا ہے، اور نسل انسانی کی بقا عزت وعفت کے ساتھ ہوتی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو پیغمبروں کی سنت قرار دیا ہے، نکاح کو سادہ اور آسان رکھا ہے اور اس میں تکلفات اور لوازمات کو ناپسند قرار دیا ہے۔ نکاح کا قیام مسجد میں کرنا اور رخصتی کے بعد ولیمہ کرنا یہ دو چیزیں مسنون اور شریعت سے ثابت ہیں۔ اس کے علاوہ جو رسوم اور تکلفات ہمارے ہاں اختیار کیے جاتے ہیں، ان سے نکاح کی سنت مشکل ہوجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے خاندانوں میں شادیاں اِن ہی رسومات کے پورا نہ کرسکنے کی وجہ سے بہت تاخیر کا شکار ہوجاتی ہیں۔

۱۔ پسند کی شادی کا شرعی اصول:

اسلام میں پسند کی شادی ناجائز نہیں۔ اگر لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ، عاقل، اور رضامند ہوں، اور نکاح شرعی گواہوں کے ساتھ کیا جائے تو نکاح صحیح اور جائز ہے۔ البتہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ یہ عمل والدین کی اجازت کے بغیر خفیہ طور پر انجام دیا

جائے، کیونکہ اس سے معاشرتی فساد، خاندان کی بدنامی اور بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالی ہے:

"فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ" (النساء:3) ترجمہ: "پس تم ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں۔" یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ پسند کا عنصر نکاح میں شامل ہو سکتا ہے، مگر حدودِ شریعت کے اندر۔

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ہے: "اگر بالغ لڑکا اور لڑکی باہمی رضامندی سے، شرعی طریقے سے نکاح کریں تو نکاح جائز ہے، البتہ والدین کی رضا حاصل کرنا بہتر اور باعثِ برکت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج9،ص385)

۲۔شادی میں اسراف، نمود و نمائش اور گناہ کے مظاہر:

آج شادی بیاہ کے موقع پر جو اسراف، فضول خرچی، گانے باجے، ڈانس، ڈی جے، آتشبازی، بے پردگی اور نمائش ہوتی ہے، یہ سب شریعت میں سخت منع ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

"إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ" (بنی اسرائیل:27)

ترجمہ: "بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔"

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے: "شادی میں باجے، گانے، آتش بازی یا نمود و نمائش کے لیے خرچ کرنا حرام ہے۔ یہ تمام چیزیں گناہ اور فسق میں شمار ہوتی ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج7،ص55)

۳۔سادہ نکاح برکت کا ذریعہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"أعظم النكاح بركة أيسره مؤونة" (مسند احمد) ترجمہ: "سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم ہو۔" اس لیے شادی کو سادہ، بے حیائی و بیہودگی سے دور اور سنت کے مطابق رکھنا ہی اصل کامیابی ہے۔ ولیمہ سنت ہے، لیکن فضول خرچی اور دکھاوے کے بغیر۔

۴۔موجودہ زمانے کی اصلاحی ضرورت:

آج ضرورت ہے کہ ہم اپنے معاشرے سے: فضول رسومات ختم کریں، جہیز، باجے، ناچ گانے اور نمائش سے بچیں، نکاح کو آسان بنائیں، اور نوجوانوں کو سنت و شریعت کے مطابق نکاح کرنے کی ترغیب دیں۔ یہی معاشرتی سکون اور دینی ترقی کی بنیاد ہے۔

اے اللہ! ہمیں نکاح کو سنت کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرما، ہماری شادیوں کو ایمان، عفت، اور برکت کا ذریعہ بنا، اور ہمیں فضول خرچی، فحاشی اور شیطانی رسومات سے محفوظ رکھ۔ آمین یارب العالمین۔

انسانیت کے خیر خواہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی

دنیا کی تاریخ کے اوراق پلٹئے تو ہر طرف خونریز جنگوں، جاہلی تعصّبات، نسلی تفاخر اور انسانوں پر انسانوں کے مظالم کے قصے بکھرے ہوئے نظر آئیں گے کہ طاقتور کمزور کو روند ڈالتا، دولت مند غریب کو غلام بنا لیتا، مرد عورت کو محض اپنی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتا، اور قومیں قوموں کو اپنے زیرنگیں لانے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ مذہب کے نام پر بھی ظلم و ستم کی داستانیں تاریخ کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں، کہیں آگ کے پجاری کمزوروں کو اپنی رسموں میں جلا دیتے، کہیں زر و زمین کے لئے بہنے والا خون مقدس سمجھا جاتا، حالت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ نبیوں کے وارث کہلانے والے اہل کتاب بھی حق و انصاف کو فراموش کر بیٹھے تھے۔ ایسے عالم میں انسانیت فریاد کناں تھی کہ کوئی آئے جو اس کے زخموں پر مرہم رکھے، کوئی ہو جو اسے بتائے کہ انسان کی اصل عزت و حرمت کیا ہے، کوئی رہنما ہو جو نسل و وطن کے تنگ دائروں کو توڑ کر پوری انسانیت کو ایک لڑی میں پرو دے۔ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ رب العالمین نے اپنے آخری رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور اعلان کیا: "وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين" (الانبیاء: 107) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

قرآن کریم کا یہ اعلان اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم، علاقے یا نسل کے لئے نہیں تھی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت و خیر خواہی کا دائرہ ساری انسانیت بلکہ تمام مخلوقات تک وسیع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ہر گوشے سے یہ حقیقت جھلکتی ہے کہ آپ کی شخصیت سراپا خیر ہے، آپ کا وجود عین رحمت ہے اور آپ کا پیغام سراسر ہمدردی اور خیر خواہی ہے۔ قرآن مجید نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مبارک کو اہل ایمان کے لئے شفقت اور رحمت کا سرچشمہ قرار دیا ہے:

"لَقَد جَآءَكُم رَسُولٌ مِّن اَنفُسِكُم عَزِيزٌ عَلَيهِ مَا عَنِتُّم حَرِيصٌ عَلَيكُم بِالمُؤمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ"
(التوبة: 128) ترجمہ: بیشک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آگئے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور خیر خواہی کا دائرہ صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہ تھا۔ آپ کا سینہ وسیع سے وسیع تر تھا، جو دشمنوں تک کے لئے دعا اور رحمت سے معمور تھا۔ وہ طائف کا واقعہ کس قدر سبق آموز ہے جب سنگ باری کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لہولہان کر دیا گیا۔ فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر آپ چاہیں تو ان بستیوں کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔ لیکن

آپ ﷺ نے رحمت وخیر خواہی کی زبان سے فرمایا: "بل أرجو أن یخرج الله من أصلابهم من یعبد الله وحده لا یشرك به شیئاً" (بخاری) نہیں، بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے،، یہ ایک مصلح، ایک خیر خواہ اور ایک رحمتِ مجسم کا ہی جواب ہوسکتا تھا۔

فتح مکہ کا منظر دیکھئے، وہ لمحہ جب انتقام کی آگ کو بھڑکایا جاسکتا تھا، جب آپ ﷺ کے پاس اختیار تھا کہ اپنے مظلوم لیل ونہار کا بدلہ لیں، لیکن اس دن آپ نے اعلان کیا: "اذهبوا فأنتم الطلقاء" (سیرت ابن ہشام) جاؤ، آج تم سب آزاد ہو۔ یہ اعلان نہیں بلکہ تاریخِ انسانی میں رحمت وخیر خواہی کا سب سے عظیم عملی مظاہرہ تھا۔

یہی نہیں، بلکہ آپ ﷺ نے معاشرے کے ان طبقات کو عزت دی جنہیں دنیا کے لوگ قدموں تلے روندتے تھے، غلاموں کو انسانیت کے برابر درجہ دیا اور ان کے حقوق اتنے واضح فرمائے کہ صحابہؓ غلاموں کو اپنے بھائیوں کی طرح کھلاتے اور پہناتے تھے۔ عورت، جسے جاہلیت میں ذلت ورسوائی کا نشان سمجھا جاتا تھا، اسے وراثت میں حصہ دیا، نکاح میں عزت عطا کی اور فرمایا: "خیرکم خیرکم لأهله وأنا خیرکم لأهلي" (ترمذی) تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ بہتر ہے، اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہتر ہوں۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کی خیر خواہی محض الفاظ یا دعوؤں تک محدود نہ تھی بلکہ عملی زندگی کے ہر موڑ پر یہ حقیقت جلوہ گر تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے قول وفعل اور عمل سے یہ ثابت کیا کہ آپ کا وجود دنیا کے ہر انسان کے لئے امن وسکون، خوشی اور راحت کا پیام ہے۔

آپ ﷺ کی خیر خواہی کا یہ عالم تھا کہ ایک دن آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک پرندہ پریشان ہے، اس کے بچے کسی نے اٹھالئے ہیں۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ فوراً اس کے بچے واپس کرو، کیونکہ ماں کے دل میں کس قدر کرب پیدا ہوا ہوگا۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: "في کل کبد رطبة أجر" (بخاری، مسلم) ہر جاندار کو پانی پلانے یا راحت پہنچانے میں اجر ہے، یعنی جانوروں اور پرندوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا ایک مؤمن کے ایمان کا تقاضہ ہے۔ یہ وہ تعلیم تھی جس نے انسان کو خیر خواہی کے دائرے سے بلند کرکے پوری کائنات کے ساتھ رحمت وشفقت کا رشتہ قائم کرنے کی دعوت دی۔

ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کو زہر دیا، لیکن جب اس عورت کو گرفتار کیا گیا تو آپ ﷺ نے معاف کردیا۔ ایک اور موقع پر ایک یہودی کا جنازہ گزر رہا تھا، آپ ﷺ احتراماً کھڑے ہوگئے۔ صحابہؓ نے تعجب سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ تو یہودی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ألیست نفساً؟" (بخاری) کیا وہ انسان نہیں تھا؟ یہ جملہ آپ ﷺ کی خیر خواہی کا آئینہ دار ہے۔ آپ ﷺ نے انسانی جان کی حرمت کو اس قدر نمایاں فرمایا کہ مذہب اور ملت کے امتیازات بھی اس کے احترام کو ختم نہیں کرسکتے تھے۔

آپ ﷺ کی زندگی کا ایک عظیم پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت کو ظلم کی تاریکیوں سے نکال کر عدل و انصاف کی روشنی بخشی۔ آپ کی تعلیمات و ہدایات میں غلامی کا انسداد، عورتوں کو عزت، یتیموں کی کفالت، کمزوروں اور بے سہارا لوگوں کو سہارا دینے اور خاص و عام میں مساوات کا فرمان یکساں تھا، دنیا نے اپنی آنکھوں سے آپ ﷺ کی بعثت کے فیوض دیکھے ہیں۔ ایک بدوی مسجد نبوی میں داخل ہوا اور مسجد میں پیشاب کر دیا۔ صحابہ کرامؓ غصے سے اس پر ٹوٹ پڑنے لگے مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، اور پھر پانی ڈالنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس بدوی سے نرم لہجے میں فرمایا کہ یہ جگہ اللہ کی عبادت کے لئے ہے۔ اس شفقت اور حلم سے اس کا دل بدل گیا۔ وہ چند لمحے پہلے گستاخی کر رہا تھا، اور چند لمحوں بعد آپ ﷺ کی خیر خواہی اور نرمی نے اسے اسلام کے نور سے منور کر دیا۔

آپ ﷺ کی شخصیت سراپا خیر ہے۔ دشمن بھی آپ کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مشرکین نے آپ ﷺ کو جھٹلایا اور طرح طرح کی اذیتیں دیں، لیکن جب کبھی ان پر کوئی مصیبت آن پڑتی تو سب سے پہلے آپ ﷺ کے دروازے پر آتے اور آپ ﷺ انہیں دعائیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے فرمایا: "**وما أرسلناك إلا كافة للناس بشيرًا و نذيرًا**" (سبا: 28) ہم نے آپ کو سب لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

آپ ﷺ نے مساوات کا درس ایسے وقت میں دیا جب دنیا ظلم و استحصال کی آگ میں جھلس رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: "**الناس سو اسية كأسنان المشط**" (ابونعیم، حلیۃ الاولیاء) لوگ کنگھی کے دانتوں کی طرح برابر ہیں۔ آپ نے فرمایا: کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنیاد پر ہے۔ حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: "**أيها الناس، إن ربكم واحد، و إن أباكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي و لا لعجمي على عربي و لا لأحمر على أسود و لا لأسود على أحمر إلا بالتقوى**" (مسند احمد)۔ یہ وہ اعلان تھا جس نے نسل پرستی کی جڑیں کاٹ ڈالیں اور انسانیت کو ایک خاندان کی طرح ایک وحدت میں پرو دیا۔

آپ ﷺ کی خیر خواہی کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا کے انسانوں کو آخرت کی دائمی بربادی سے بچانے کے لئے اپنی پوری زندگی کھپا دی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: "**فلعلك باخع نفسك على آثارهم إن لم يؤمنوا بهذا الحديث أسفاً**" (الکہف: 6) اے نبی! شاید آپ اس غم میں اپنی جان گھلا ڈالیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: "**فلا تذهب نفسك عليهم حسرات**" (فاطر: 8) یعنی آپ ﷺ کی کیفیت یہ تھی کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے آپ ﷺ بے چین اور بے قرار رہتے تھے۔

آپ ﷺ کی خیر خواہی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ جب ایک یہودی لڑکا مرض الموت میں تھا تو آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے کلمہ پڑھنے کی دعوت دی۔ بچہ اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔ باپ نے کہا کہ ابوالقاسم کی بات مان لو۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ آپ ﷺ خوشی خوشی باہر نکلے اور فرمایا: "**الحمد لله الذي أنقذه بي من**

النار" (بخاری) شکر ہے اللہ کا کہ اس بچے کو میری وجہ سے جہنم سے بچا لیا۔ اس سے بڑھ کر انسانیت کی خیر خواہی کی کون سی مثال ہو سکتی ہے کہ دشمن قوم کے ایک بچے کی آخرت بھی آپ ﷺ کے دل کو تڑپاتی ہے۔

اگر انسانیت کی خیر خواہی کو کسی پیکرِ مجسم میں دیکھنا ہو تو وہ محمد عربی ﷺ کی ذات ہے۔ آپ ﷺ نے زندگی کے ہر موڑ پر، ہر فیصلے میں اور ہر موقع پر یہی ثابت کیا کہ آپ کی نگاہ کا مرکز صرف اور صرف انسان کی بھلائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے جب کوئی طاقتور اور کمزور، امیر اور غریب، آزاد اور غلام، یا مرد اور عورت آتا تو آپ کے رویّے میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آتا۔ سب کے لئے مسکراہٹ، سب کے لئے دعا، سب کے لئے خیر خواہی۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے (جو معاشرے میں معمولی حیثیت کی سمجھی جاتی تھی) آکر آپ ﷺ کو روک لیا اور ذاتی مسئلہ بیان کرنے لگی۔ آپ ﷺ رک گئے اور اس کے ساتھ چل دیئے، یہاں تک کہ اس کا کام پورا ہو گیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی نظر میں کوئی معمولی نہیں تھا۔ آپ ﷺ ہر انسان کو اللہ کی مخلوق سمجھ کر اس کے ساتھ ہمدردی فرماتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "**من لا یَرحم لا یُرحم**" (بخاری، مسلم) جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت اور خیر خواہی بے مثال تھی، ان کے ساتھ آپ ﷺ کھیلتے، انہیں اپنے کندھوں پر بٹھاتے، ان کے ساتھ مسابقت کرتے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ حضرت حسنؓ یا حسینؓ پشت پر چڑھ گئے۔ آپ ﷺ نے سجدہ طویل کر دیا تاکہ بچہ خوشی خوشی کھیلے۔ بعد میں صحابہؓ نے دریافت کیا تو فرمایا: میرا بیٹا میری پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا، میں نے چاہا کہ وہ خوش ہو کر خود ہی اترے۔ یہ بچوں کے ساتھ خیر خواہی کی اعلیٰ مثال ہے کہ امام الانبیاء ﷺ اپنی نماز میں بھی بچے کی خوشی کو مقدم رکھتے ہیں۔

یتیموں کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد مشہور ہے: "**أنا وكافل اليتيم كهاتين في الجنة**" (بخاری) آپ ﷺ نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے کو باعثِ رحمت قرار دیا۔ دراصل یہ تعلیم انسانیت کو یہ پیغام دیتی ہے کہ معاشرے میں جو سب سے زیادہ کمزور اور بے سہارا افراد ہیں، ان کی دلجوئی، خبر گیری اور سرپرستی کرنا دراصل جنت کا راستہ ہے، اور انسانیت کی خیر خواہی کا ایک عظیم درجہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے انسانوں کو یہ سکھایا کہ دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "**المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً**" (بخاری، مسلم)۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسایا تاکہ سمجھا سکیں کہ مؤمن آپس میں ایک دوسرے سے کس طرح جڑے ہوئے ہیں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "**لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه**" (بخاری، مسلم) تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔ یہ خیر خواہی کا وہ اصول ہے جو اگر انسانیت اختیار کر لے تو دنیا سے نفرت اور دشمنی کی جڑ کٹ جائے۔

یہی جذبہ تھا کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ صلح اور امن کو ترجیح دی، صلح حدیبیہ اس کی روشن مثال ہے، ظاہری طور پر یہ معاہدہ مسلمانوں کے خلاف نظر آتا تھا، مگر درحقیقت اس نے امن کا راستہ کھولا اور تھوڑے ہی عرصے میں لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی نگاہ میں تلوار سے زیادہ اہم انسان کی بھلائی اور ہدایت تھی۔

آپ ﷺ کی خیر خواہی کا ایک اور پہلو یہ تھا کہ آپ نے دشمنوں کے لئے بھی بددعا کے بجائے دعا فرمائی۔ جب احد کے میدان میں آپ ﷺ کو زخمی کیا گیا اور خون بہا، تو بعض صحابہؓ نے کہا کہ آپ ان کے لئے بددعا کریں۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا: "إني لم أبعث لعاناً، وإنما بعثت رحمة" (مسلم) مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دعا کی: "اللهم اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون" اے اللہ! میری قوم کو بخش دے، وہ نہیں جانتے۔ یہ وہ خیر خواہی ہے جو دلوں کو بدل ڈالتی ہے۔ دشمنوں کو دوست بناتی ہے، اور نفرت کے دریا کو محبت کے سمندر میں بدل دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قومیں جو کل تک آپ ﷺ کو ایذا دیتی تھیں، آپ کے اخلاق اور رحمت سے متاثر ہو کر اسلام پر فریفتہ ہو گئیں۔

رسول اکرم ﷺ کی خیر خواہی کا ایک بڑا مظہر آپ کی دعائیں ہیں۔ راتوں کو آپ ﷺ امت کے لئے ہاتھ اٹھا کر رو رو کر دعا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک رات آپ ﷺ نے اتنی طویل نماز پڑھی کہ پاؤں سوج گئے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ یہ کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "أفلا أكون عبداً شكوراً" (بخاری، مسلم)۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی راتوں کی گریہ وزاری کا بڑا حصہ اپنی امت کے لئے تھا۔ آپ ﷺ کی زبان سے اکثر یہ دعا نکلتی: "اللهم أمتي، أمتي" (مسلم) اے اللہ! میری امت، میری امت،، اور اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ جاؤ اور محمد ﷺ سے کہو کہ ہم آپ کی امت کو رنجیدہ نہیں کریں گے۔

یہ سب احادیث واضح کرتی ہیں کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیاتِ طیبہ انسانیت کے لئے خیر خواہی کی ایسی عظیم کتاب ہے جس کی مثال نہ کبھی تھی نہ کبھی ہوگی۔ انسانیت کی خیر خواہی کا تصور اگر عملی زندگی میں ڈھالا جائے تو اس کا سب سے روشن نمونہ سیرتِ رسول اکرم ﷺ ہے۔ آپ ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان تو محفوظ رہیں ہی بلکہ ہر انسان کو امن ملے۔ فرمایا: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" (بخاری، مسلم)۔ اس فرمان کے دائرہ کو وسیع کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کا اصل مقصد معاشرے کو ظلم، ایذا رسانی اور نفرت سے پاک کر کے ایک ایسا ماحول فراہم کرنا ہے جہاں ہر انسان کو سکون اور راحت نصیب ہو۔

یہی خیر خواہی آپ ﷺ کی مجالس میں بھی نظر آتی تھی۔ آپ ﷺ جب بیٹھتے تو کسی اجنبی کو یہ محسوس نہ ہوتا کہ مجلس میں سب سے عظیم کون ہے۔ ہر شخص یہ سمجھتا کہ آپ ﷺ مجھ سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ہر کسی کی بات پوری توجہ سے سنتے، کبھی کسی کی تذلیل نہ کرتے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں سمجھتا تھا کہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب میں ہی ہوں، یہاں تک کہ ایک دن میں نے خود دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام لیا، پھر دوسرے کا، پھر تیسرے کا۔ تب جا کر معلوم ہوا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص وصف تھا کہ ہر شخص کو یقین ہو جاتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

یہی خیر خواہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انصاف پروری میں بھی ظاہر ہوئی۔ جب ایک قبیلہ کی عورت نے چوری کی تو بعض لوگ سفارش کے لئے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ پر غصہ کے آثار نمایاں ہوئے اور فرمایا"تم سے پہلے کی امتیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو چھوڑ دیا جاتا، اور جب کوئی کمزور کرتا تو سزا دی جاتی۔ اللہ کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا" (بخاری، مسلم)۔ یہ عدل کی وہ انتہا ہے جو انسانیت کی خیر خواہی کے بغیر ممکن نہیں، کیونکہ اصل خیر خواہی یہی ہے کہ معاشرہ ظلم اور ناانصافی سے محفوظ رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ آسانی کی تعلیم دی۔ فرمایا:"یسروا ولا تعسروا، وبشروا ولا تنفروا" (بخاری، مسلم) آسانی پیدا کرو، مشکل میں نہ ڈالو، خوشخبری سناؤ، نفرت نہ پھیلاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کو انسانوں کے لئے رحمت بنایا، بوجھ نہیں۔ ایک شخص آیا اور کہا: یا رسول اللہ! میں روزانہ روزہ رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اتنا نہ کرو۔ دوسرے نے کہا: میں رات بھر نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے جسم کا بھی حق ہے۔ یہ تعلیم دراصل اس بات کا اعلان ہے کہ دین انسانیت کے لئے بوجھ نہیں بلکہ آسانی اور سکون کا ذریعہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیر خواہی کا یہ عالم تھا کہ جنگ میں بھی آپ نے ایسے اصول بتائے جو آج کی دنیا کے انسانی حقوق کے قوانین سے کہیں آگے ہیں۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور راہبوں کو قتل کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ درخت کاٹنے اور کھیتیاں جلانے کو ناجائز قرار دیا۔ دشمن کے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی۔ غزوہ بدر کے قیدیوں سے کہا گیا کہ جو دس لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے وہ آزاد ہے۔ یہ تعلیمات اس وقت دی جا رہی تھیں جب دنیا میں جنگ کا مطلب تباہی اور انتقام کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیر خواہی کا حصہ تھا کہ آپ چاہتے تھے کہ انسانیت علم کی روشنی میں آگے بڑھے، ظلم و خونریزی میں نہ ڈوبے۔

یہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کی ایسی مثالیں ملتی ہیں جنہیں پڑھ کر دل حیران رہ جاتا ہے۔ ایک بار ایک یہودی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرض لیا اور پھر متعین وقت سے پہلے بے ادبی سے بازو پکڑ کر کہنے لگا کہ قرض ادا کرو۔ صحابہؓ اس پر غصہ ہوئے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، کیونکہ قرض خواہ کو کہنے کا حق ہے۔ پھر نہ صرف قرض ادا فرمایا بلکہ خوش اخلاقی سے مزید بھی دیا۔ یہ خیر خواہی کا وہ نمونہ ہے جو دلوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات خیر و برکت کا وہ سرچشمہ ہے جس سے سب کو فیض ملا، آپ نے انسان کو انسانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا۔ آپ نے یہود و نصاریٰ، مشرکین و منافقین، دوست و دشمن سب کو خیر کا پیغام دیا۔ آپ کا دل کسی ایک قوم یا ملت کے ساتھ محدود نہ تھا بلکہ پوری انسانیت کے لئے دھڑکتا تھا۔

قرآن مجید کے حقوق اور ہماری ذمہ داریاں

فضل الرحمن اصلاحی فاضل دیوبند

عظمت قرآن بہ زبان قرآن: قرآن کریم کا تعارف جتنا عمدہ خود قرآن سے ہوسکتا ہے اور اس کی عظمت شناسی خود اس کے ذریعے جتنے بہتر طریقے سے ہوسکتی ہے، کسی اور ذریعہ سے نہیں ہوسکتی کیوں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، آیئے ذرا قدرے تفصیل سے اس بات کا جائزہ لیں کہ قرآن کریم بذاتِ خود اپنا تعارف کس انداز سے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ ھود میں خود باری تعالی فرماتے ہیں: "الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ آیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ" (الٓرٰ) (یہ) وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں، پھر تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، بڑے حکمت والے، بہت خبر رکھنے والے (اللہ) کی طرف سے۔سورۃ الشعراء میں قرآن کا تعارف یوں رقم ہے "وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ العالمین o نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الأَمِیْنُ o عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ o بِلِسَانٍ عربیٍ مبین o" (اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ (قرآن) پروردگار عالم کا نازل فرمایا ہوا ہے، اسے امانت دار فرشتے نے (اے محمد) تمہارے دل پر اتارا ہے تاکہ (تم لوگوں کو عذابِ آخرت) سے خبر دار کرنے والے بنو، صاف ستھری عربی زبان میں)۔

مندرجہ بالا آیت کے ضمن میں الشیخ محمود بن احمد الدوسری رقم طراز ہیں: "اللہ جل جلالہ نے قرآن کریم نازل فرمانے کی نسبت اپنی طرف صرف اسی آیت میں نہیں کی؛ بلکہ پچاس یا اس سے بھی زیادہ آیتوں میں کی ہے اور یہ اللہ کا کلام ہے، کلام کرنے والے کا حسنِ کمال، کلام کی سچائی کی دلیل ہوتا ہے، اس طرح اس کی عظمت ورفعت کی شان بھی واضح ہوتی ہے؛ کیوں کہ اسے نازل فرمانے والا بڑی عظمتوں والا ہے، مزید برآں قرآن کے شرف اس کی قدرومنزلت اور عظمت ہی کی وجہ سے امت مسلمہ کی شان بلند ہوتی ہے"۔

سورۂ یوسف میں قرآن اپنا تعارف یوں پیش کرتا ہے: "مَا کَانَ حَدِیْثاً یُفْتَرٰی وَلٰکِن تَصْدِیْقَ الذی بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ کلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً لِقَوْمٍ یُؤمِنُوْنَ o"۔ایسے ہی سورۂ یوسف میں ایک جگہ اور ہے: "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَیْنَا الَیْکَ ھٰذا القرْآنَ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہ لَمِنَ الغٰفلین" (اور ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہت اچھا بیان اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں) اور سورۂ مائدہ میں ہے: قَدْ جَآئَکُمْ مِنَ اللہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مبین۔

سورۂ فرقان میں ذکر ہے "تَبَارَکَ الذی نَزَّلَ الفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہ لِیَکُوْنَ للعالَمِیْنَ نَذِیْراً"

سورہ بنی اسرائیل میں اس کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے "اِنَّ ھٰذا القرآنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ أَقْوَمُ" (بلاشبہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے)

اسی طرح سورۂ یونس میں قرآن مجید کو رحمتِ خداوندی سے موسوم کیا گیا ہے، جیسا کہ مذکور ہے، "قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِه فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوا هُوَ خَیْرٌ مِمّا یَجْمَعُونo" (یہ صرف اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ یہ نعمت تمہیں نصیب ہوئی، پس یہ وہ چیز ہے، جس پر لوگوں کو چاہیے کہ خوشیاں منائیں، جتنی بھی چیزیں دنیا میں لوگ سمیٹتے ہیں، قرآن کی نعمت، ان سب سے زیادہ بہتر اور قیمتی ہے۔

رمضان کا مکمل مہینہ قرآن مجید کی نعمت سے منسوب کر دیا گیا، چنانچہ ارشاد ربّانی ہے "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنَ"۔ محترم خرم مراد صاحب مرحوم اس کی دل نشیں تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "قرآن مجید سے زیادہ بڑی کوئی نعمت ایسی نہیں ہے، جو خوشی و مسرت اور جشن کی مستحق ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری خوشی کے سب سے بڑے دن کو قرآن مجید کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے"۔

قرآن کریم کی عظمت و جامعیت کو سورۂ مائدہ میں بڑے ہی بلیغ پیرایے میں بیان کیا گیا ہے، جس کو سن کر ایک یہودی نے امیر المومنین حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ تمہاری کتاب میں ایک آیت ایسی نازل ہوئی ہے، اگر یہ آیت ہمارے یہاں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن یوم عید اور جشن کا دن بنا لیتے، اس پر حضرت عمرؓ نے اس سے اس آیت کے متعلق دریافت فرمایا، وہ کون سی آیت ہے؟ اس یہودی نے جواب دیا سورۂ مائدہ کی درج ذیل آیت: "اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الاسْلامَ دِیْناً" (آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا)۔

مولانا امین احسن اصلاحی قرآن کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "قرآن مجید کو ایک اعلیٰ اور برتر کلام مان کر اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، اگر دل میں قرآن مجید کی عظمت و اہمیت نہ ہو تو آدمی اس کے حقائق و معارف کے دریافت کرنے پر محنت صرف نہیں کر سکتا"۔

اے کاش! آج امت مسلمہ کو اس کا احساس ہو جاتا کہ قرآن مجید کی شکل میں روئے زمین پر سب سے بڑی نعمت جو اس کو ودیعت کی گئی ہے، یہی کتاب عظیم ہے۔

ع اے کاش کہ ہو جاتی قرآن سے شناسائی

عظمتِ قرآن بہ زبان صاحب قرآن: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں تو قرآن کے فضائل اور اس کی اہمیت کو مختلف پیرایے میں بیان کیا ہے، یہاں پر اس سلسلے میں چند احادیث مبارکہ درج کی جاتی ہیں۔

"کِتَابُ اللهِ هُوَ حَبْلُ اللهِ الْمَمْدُوْدِ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الأَرْضِ"

اسی طرح سے ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ کا ارشاد ہے، قرآن کی تلاوت اور اس کا مذاکرہ نزول سکینت، رحمت کا باعث بنتا ہے۔

"مَا اجۡتَمَعَ قَوۡمٌ فِیۡ بَیۡتٍ مِنۡ بُیُوۡتِ اللّٰہِ یَتۡلُوۡنَ کِتَابَ اللّٰہِ یَتَدَارَسُوۡنَ بَیۡنَھُمۡ الاَّ نَزَلَتۡ عَلَیۡھِمُ السَّکِیۡنَۃُ وَغَشِیَتۡھُمُ الرَّحۡمَۃُ وَحَفَّتۡھُمُ المَلائکۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیۡمَنۡ عِنۡدَہ"۔

حضرت علیؓ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اس امت کے لیے سب سے عمدہ دوا قرآن مجید ہے۔ "عَنۡ عَلِیٍ قال: قالَ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خَیۡرُ الدَّواءِ القُرآنُ۔"

آج اس امت کی مثال اس پیاسے کی سی ہوگئی ہے، جس کے پڑوس میں میٹھا چشمہ بہہ رہا ہو؛ مگر وہ اس چشمے سے سیراب ہونے کے بجائے گندے پانی سے اپنا پیٹ بھرنا چاہتا ہے۔

اس موقع پر پیارے نبی کی اس وصیت کو ہمہ وقت یاد رکھنے کی ضرورت ہے "اِسۡمَعُوا مِنّی تَعَیَّشُوا" (میری باتیں غور سے سنو، یہ باتیں غور وخوض سے سنوگے تو پھلتے پھولتے رہوگے) اور اسی موقع پر آپ نے بڑی دل سوزی سے فرمایا تھا "تَرَکۡتُ فِیۡکُمۡ أمۡرَیۡنِ مَا انۡ تَمَسَّکۡتُمۡ بِھِمَا لَنۡ تَضلّوا کتابَ اللّٰہِ وَسُنَّتِی" وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں جو ان ارشادات پر کان دھرتے ہیں اور قرآن مجید کی خدمت میں اپنی زندگیاں قربان کررہے ہیں، وہ اس بشارت میں شامل ہیں۔ "خَیۡرُکُمۡ مَنۡ تَعَلَّمَ القُرآنَ وَعَلَّمَہ" (تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن مجید سیکھے اور دوسروں کو سکھائے)۔

نعمت قرآن اور تعمیر سیرت: قرآن مجید میں کلام الٰہی کو نعمت کے طور پر کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

مثلاً: "فَذَکِّرۡ فَمَا أنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِکَاھِنٍ وَلَامَجۡنُوۡن"

اور سورۃ القلم میں یوں ذکر کیا گیا۔ "مَا أنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡن"۔

قرآن مجید جیسی بیش بہا کتاب ہدایت اس امت کو عطا کی گئی تو اس کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے۔ شکر کے معنی یہاں پر یہ ہے کہ قرآن مجید کے حقوق ادا کئے جائیں۔

قرآن کریم کے بنیادی حقوق درج ذیل ہیں:

۱۔ قرآن پر ایمان لانا ۲۔ قرآن کا پڑھنا ۳۔ قرآن کا سمجھنا ۴۔ قرآن پر عمل کرنا ۵۔ قرآن کی تبلیغ کرنا۔

زوال امت کا اصل سبب و اصلاح معاشرہ: اگر تاریخ سے سوال پوچھا جائے کہ قرآن مجید جیسی عظیم نعمت کے ہوتے ہوئے یہ امت کیوں روبہ زوال ہے؟ تو تاریخ ہمیں اس کا جواب دے گی کہ "انَّ اللّٰہَ لا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِأنۡفُسِھِمۡ"۔ (اللہ تعالی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب کہ وہ خود (اپنے ارادے و اختیار سے) اپنے حالات ونفسیات نہ بدل لیں)۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے مالٹا کی تنہائیوں میں جو غور وخوض کرکے اس بیمار ملت کے لیے دوا تجویز کی تھی اے کاش اس ملت نے اگر اس نصیحت پر عمل کیا ہوتا تو شاید آج حالات اتنے ناگفتہ بہ نہ ہوتے، مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ اس سلسلے میں شیخ الہندؒ کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہورہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے،

ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا اور دوسرا ان کے آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی، اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کردوں گا کہ قرآن کریم کو لفظاً و معناً عام کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔" آگے مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں" حضرت نے جو باتیں فرمائیں ہیں، اصل میں وہ دو نہیں ایک ہی ہے۔ اس لیے ہمارے اختلاف میں شدت اس وجہ سے ہوئی کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا اس لیے کہ قرآن مرکز تھا اور جب وہ اس مرکز سے دور ہوتے چلے گئے تو ایک دوسرے سے بھی دور ہوتے چلے گئے"۔

یہ بالکل سادہ سی بات ہے واقعی اگر قرآن پر کسی درجہ میں عمل کیا جاتا تو یہ خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی۔ آج سے چند سال پہلے مسلم محلوں سے گزرنے والا یہ لازماً محسوس کرلیتا تھا کہ یہ مسلم محلہ ہے اور اس علاقے اور محلے میں قرآن کی برکت سے الگ ہی قسم کی رونق ہوا کرتی تھی۔ آج سے تیس چالیس سال پہلے مسلمانوں کے محلوں میں گذرتے ہوئے ہر گھر سے قرآن پڑھنے کی آواز تو آتی تھی، یہ الگ بات ہے کہ لوگ اسے ٹھیک سے سمجھتے نہیں تھے، لیکن تلاوت تو بہرحال ہوتی تھی، اب تو تلاوت بھی نہیں ہوتی، غور وفکر اور تدبر کا تو سوال ہی نہیں، کون سیکھے اور کون پڑھے؟ عربی سے ہمارا کوئی دنیوی مفاد وابستہ ہو تو ہم سیکھیں، ہم انگریزی پڑھیں گے اور ایسی پڑھیں گے کہ انگریزوں کو پڑھا دیں؛ لیکن عربی سیکھنے کے لیے کوئی بھی وقت نکالنے کے لیے تیار نہیں۔

خلاصہ بحث: یوں تو آج پوری دنیا کے مسلمان ظلم وجور کی چکی میں پس رہے ہیں اور زبان حال سے یہ فریاد الٰہی کرر ہے ہیں:

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر * برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

اس فریاد سے پہلے ہمیں خود بحیثیت ملت یہ جائزہ لینا چاہیے کہ اس طرح کے ناگفتہ بہ حالات ہمارا ساتھ کیوں نہیں چھوڑ رہے ہیں؛ حالاں کہ اللہ رب العزت کی سنت تو یہ رہی ہے۔ "**وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ**" (القرآن) اس آیت کی روشنی میں ہمارا محاسبہ ہمارے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرے گا کہ قرآن کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے اس طرح کے حالات ہمارا مقدر بن چکے ہیں، لہٰذا سچے دل سے ہمیں پھر قرآن کے دامن میں پناہ ڈھونڈنی چاہیے۔ اس کے بغیر اور کوئی علاج کارگر نہیں ہوسکتا، امام مالکؒ جیسے بیدار مغز محدث وفقیہ نے اس بیمار ملت کا علاج یہی قرار دیا تھا: "**لَنْ يَصْلَحَ هَذِهِ الأُمَّةُ الاَّ بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهَا**"۔

ان حالات میں اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن حکیم کی طرف رجوع کیا جائے، ہماری تقدیر اس وقت تک نہیں بدلے گی اور ہم عزت وسربلندی حاصل نہیں کرسکتے جب تک کہ اس قرآن کا حق ادا نہیں کریں گے، ہمارے عروج وبلندی کے لیے اگر کوئی زینہ ہے تو قرآن ہے، ہماری قسمت اسی کتاب کے ساتھ وابستہ ہے، اگر کوئی راستہ کھلے گا تو اسی کے ذریعے کھلے گا۔

علماء اور عوام کے درمیان ربط وتعلق

وقت کی اہم ضرورت

مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی

اس عمومی دین بیزاری کے دور میں جب کہ ہرسَمت اسبابِ ضلالت وگمراہی کی بہتات اور روز افزونی ہے، سادہ لوح معصوم عوام کو غیر شعوری طور پر اسلامی تعلیمات اور راہِ حق سے برگشتہ کرنے اور انھیں غلط کاری، بے راہ روی اور گمراہی میں مبتلا کرنے کے لیے ہرطرح کے حربے اختیار کیے جارہے ہیں، ملمع سازی اور ظاہری رعب داب کا سہارا لے کر عوام کو رجھایا اور لبھایا جارہا ہے، زہر کو تریاق بنا کر پیش کیا جارہا ہے، عوام اپنے بھولے پن، سادگی وسادہ لوحی میں ظاہری چمک دمک، دلربا دلفریب تزئین وآرائش سے مرعوب ہوکر عواقب ونتائج سے لاپروا، اس زہر کا بے محابا استعمال کررہی ہے، منزل کی تلاش میں غیرارادی طور پر اس کا ہراُٹھنے والا قدم انھیں تباہی وبربادی کے گڑھے کی طرف لے جارہا ہے۔

اس وقت آپ چاروں طرف نظر دوڑا کر دیکھیے، ہرسَمت آپ کو مختلف گمراہ کن تحریکوں اور تنظیموں کا جال بچھا ہوا نظر آئے گا، مسلمانوں کو دین وایمان سے برگشتہ اور اسلام کے ساتھ ان کے ربط وتعلق کو کمزور کرنے کی جدوجہد اور کوششیں ہرطرف دکھائی دیں گی، اس الحاد ولادینی، مذہب بیزاری اور خدا ناشناسی کی اس عمومی فضا کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ شیطان نے بندوں کی گمراہی اور ان کو غلطیوں میں مبتلا کرنے کا جو عہد وپیمان باری تعالی سے کیا تھا، اس نے گویا اس وعدے کی تکمیل کے لیے کمر کس لی ہے، اور اپنے اس کام کی تکمیل کے لیے بطورِ عملہ اور کارکنان کے ان بدقماش اور بے دین فرقوں اور جماعتوں کو سرگرم کردیا ہے۔ دشمنوں کی اس ساری جدوجہد، سعی وعمل اور نقل وحرکت کا مقصد یہ ہے مسلمانوں کے پاس ان کی وہ قیمتی دولت نہ رہے، ایمان وایقان کی اس عظیم ثروت سے محروم ہوجائیں، جس کے بل بوتے پر وہ ہر کام کر گزرنے کی صلاحیت وصلابت اپنے اندر رکھتے ہیں، یقین کی اس کیفیت ولذت سے وہ تہی دست ہوجائیں جس کے سہارے وہ اپنے کھوئے ہوئے وقار اور اپنی عظمتِ رفتہ کے نقوش دوبارہ بحال کرسکتے ہیں، اور اپنے اکابر واسلاف کی یادوں اور عہدِ ماضی کے مظاہر واثرات کو دوبارہ زندہ وتابندہ کرسکتے ہیں، کرسی واقتدار کی زِمام اپنے ہاتھ میں لے کر ان ظاہر پرست، محسوسات ومشاہدات کے خوگر دولتِ یقین سے محروم، نفسانیت کے پجاریوں اور خواہشات کے اسیروں پر لگام کس سکتے ہیں، جس کی واضح مثالیں حیاتِ صحابہ اور بعد کے دور میں اکابرینِ امت کی زندگی میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

عیسائی مشنریز اور قادیانیت کی جدوجہد، دیہاتوں اور مسلم بستیوں میں ان کی تبلیغی وتبشیری سرگرمیوں کا مقصد یہ ہے کہ سادہ لوح مسلم عوام کو ان کی غربت وبے روزگاری، مفلسی وبدحالی، زندگی میں درپیش دیگر مسائل اور کمزوریوں کا سہارا

لے کران کے مسائل کے حل اورضروریات کی تکمیل کے نام پران کے ایمان کی یہ مایہ ان سے چھین لی جائے اورانھیں یقین کی اس چاشنی اوردولت سے محروم کیا جائے جوقرآن کے ارشاد کے مطابق ان کی سربلندی وسرفرازی کی اصل ضامن ہے۔

بعض ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ یہ یورپین اسلامی طرز ہیئت، بود و باش، لباس وخراش اور حقیقی ایمانی واسلامی زندگی، روئے زمین پراس کے نفوذ واثرات اورغلبہ واقتدار سے اس قدر خائف ہیں کہ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ، اس کی تحریف شدہ، اصل شکل وصورت سے بگڑی ہوئی، خود ساختہ، نفسانیت وحیوانیت، عریانیت وفحاشیت کی طرف دعوت دینے والی تعلیمات کوعام کرنے اورساری دنیا کواس کے نتائج بد اور بھیانک انجام سے دوچار کرنے کے لیے اپنی تنخواہ کا معمولی فیصد مختص کرتے ہیں؛ بلکہ ہر گورنمنٹ ملازم کی تنخواہ سے قانونی اوردستوری طور پر اس معینہ رقم کی کٹوتی ہوتی ہے، اگرچہ یہ رقم انفرادی طور پر بالکل حقیر ہوتی ہے؛ لیکن اس رقم کی مجموعی مقدار اس قدر زیادہ ہوجاتی ہے کہ وہ اس کے بل بوتے عیسائیت کے پرچار اوراپنے مذہب کے دائرہ کو وسیع اور کشادہ کرنے کا کام بہ آسانی انجام دے سکتے ہیں، مُخرب اخلاق، عریاں تصاویر، برہنہ فوٹوز پر مشتمل اخبارات ومیگزین کی اشاعت، اوراس کے ذریعے لوگوں کی ذہنیت کومغربی تہذیب وثقافت کے رنگ میں رنگ دینا، اس کی کشش وجاذبیت اوراس کی سحرانگیزی کا انھیں خوگر اورعادی بنا کر، وقتی لذت میں انھیں مبتلا کرکے، انجام کار سے بے خبر، حیوانیت ونفسانیت کے ہاتھوں مجبور ہوکران کا اسے گلے لگالینا، یہ تمام امور بھی ان کی اس تبلیغی مہم کا حصہ ہوتے ہیں۔

اس وقت خصوصاً دیہاتوں کی یہ صورتِ حال ہے آبادی کی آبادی، بستی کی بستی، عیسائیت کے دامِ مکر میں آکر ایمان واسلام سے ہاتھ دھورہی ہے، چرچ کی حاضری اورعیسائیت کے قبول کرنے پر مختلف پُرکشش اسکیموں سے استفادہ اورزندگی کی اہم ضروریات جن میں مکان ودکان، کاروبار وطبی امداد کی فراہمی ان جیسے دیگر جاذبِ نظر بیش قیمت اور پُرتحیّر وعدوں کودیکھ کرلوگ دھوکے سے عیسائیت قبول کررہے ہیں۔

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، اپنے پاس پڑوس کے ماحول پرنگاہ ڈالیے، ساری جدوجہد دن رات کی تگ ودو اورزندگی کی محنت کا خلاصہ یہ ہوگیا ہے کہ ایک بالشت پیٹ اوراس کی خواہشات کی تکمیل ہوجائے، خواہ اس کے لیے اسلامی اورانسانی حدود کوکیوں نہ پھلانگنا پڑے، اوامرِ خداوندی اورارشاداتِ ربانی کی خلاف ورزی کیوں نہ ہو، خدا کی ناراضگی اور خفگی کودعوت کیوں نہ دی جائے، اس کے لیے خواہ نماز، روزہ اورزکوٰۃ جیسے اہم اور بنیادی شرعی امور کیوں نہ چھوٹ جائیں؛ لیکن مادہ اورمعدہ کی پرستش ضرور ہو، کسی خواہش کا گلانہ گھٹے۔

ان بھیانک اور پرخطر احوال میں علماء اورعوام کے درمیان ربط وتعلق کی اہمیت کافی بڑھ جاتی ہے؛ چونکہ علماء انبیاء کے وارث اورامین ہوتے ہیں، نبی کے بعد نبوت کے کاز اورامت کی اصلاح کی ذمہ داری ان پر آن پڑتی ہے، اس لیے بے دینی اورلامذہبی کے اس دور میں عوام سے گھل مل کران میں ایمان واعمال کی اہمیت اورقدر کا احساس دلانا، احکامِ خداوندی سے اِعراض اورروگردانی والی زندگی کے نتائجِ بد سے آگاہ کرنا، اس زندگی کی حقارت اورآخرت کی ابدُ الآباد اورلامتناہی زندگی

اور وہاں کے حقیقی آرام وراحت کو بتلا کر انھیں اسلامی وایمانی زندگی کا خوگر اور عادی بنانا، یہ علماء کی ذمہ داری ہے، اگر اس راہ میں کچھ سننا پڑے تو اس پر صبر وتحمل سے کام لینا اور اس پر ثواب کا امیدوار ہونا، اگر اس دوران لوگوں سے خوشامدی، منت وسماجت اور ان کے سامنے عاجزی کے اظہار کے مراحل سے گزرنا پڑے تو اس سے گریز نہ کرنا یہ تمام چیزیں علماء کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔

وارث نبی ہونے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ عوام کی بے راہ روی بد چلنی اور گمراہی علماء کو بے چین اور بے کل کر دے اور وہ اس وقت تک چین وسکون کی سانس نہ لیں؛ جب تک کہ امت کے بچاؤ کی ممکنہ تدابیر نہ اختیار کریں، علماء اور عوام کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے نبی اور امت کی مثال ہوتی ہے؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی گمراہی اور غلط روی پر اصرار اور ان کو غلط راہ سے بچانے اور بھیانک انجام سے نجات دلانے میں اپنی انتھک کوشش اور جدوجہد کی مثال یوں بیان فرمائی ہے۔

"حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی تو پتنگے اور پروانے اس میں گرنے لگے، اور وہ ان کو آگ سے ہٹانے لگا، میں بھی تمہاری کمروں کو پکڑ کر تمہیں جہنم کی آگ سے بچا رہا ہوں؛ لیکن تم لوگ میرے ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہو یعنی جہنم کی آگ میں گرتے جا رہے ہو۔" (مسلم: باب شفقۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث: ۲۲۸۵) علماء جو کہ وارثِ نبی کے حامل ہیں، وہ بھی عوام کی گمراہی، دین سے دوری، اسلامی تعلیمات سے بیزاری پر ایسے ہی فکرمند ہوں اور ان کو تباہی وبربادی کی راہ سے بچانے کی ایسی ہی دھن سوار ہو جیسے کوئی اندھا شخص ہماری نگاہوں کے سامنے گڑھے میں گر رہا ہو تو ہر شخص جس میں انسانیت کا کچھ بھی مادہ ہے وہ دوڑ کر اسے بچانے اور ہلاکت سے نجات دلانے کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔

موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ علماء اور عوام کے درمیان بے گانگی ایک دوسرے سے دوری اور وحشت وتنفر پیدا ہو گیا ہے، جو دراصل اس امت کی سب سے بڑی بدقسمتی اور اسلام کے مستقبل کے لیے بڑا خطرہ اور الحاد وبے دینی کا پیش خیمہ ثابت ہوا ہے، موجودہ دور کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ عوام اور علماء کے طبقے کے درمیان غلط فہمی کی بنیاد پر جو بُعد اور بے گانگی، ایک دوسرے سے وحشت وتنفر پیدا ہو گیا ہے، وہ دور ہو، پھر ان میں دوبارہ ربط وتعلق پیدا ہو اور وہ اسلام کے لیے تعاون واشتراکِ عمل سے کام کریں، ایک دوسرے کی تعظیم اور قدر کو جانیں اور ایک دوسرے کے محاسن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں، ایک اللہ والے نے علماء اور عوام کے درمیان ربط وتعلق کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کرتے ہوئے یوں فرمایا: "علماء کا عوام کے ساتھ ربط قائم رہا تو یہ امت چلنے والی ہوگی اور علماء اس کو چلانے والے ہوں گے اور اگر چلنے والے نہ ہوں تو علم کا یہ چراغ ختم ہو جائے اور اس کی روشنی سے کسی کو فائدہ نہ ہوگا"

حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ بے دینی، جہالت، مذہب بیزاری، آخرت فراموشی کی اس عمومی فضا، علماء اور دُعاۃ کی ذمہ داریوں اور ان کے لیے طریقہ کار اور میدانِ عمل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اہلِ نظر جانتے ہیں کہ اس وقت لا

دینی تحریکات کی سب سے بڑی قوت یہ ہے کہ وہ عوام سے براہِ راست ربط پیدا کرتی ہیں، عوام کی اپنے اصول پر تربیت کرتی ہیں، ان کے داعی عملی لوگ ہیں، سرگرم ومتحرک ہیں، ایثار وقربانی کی روح رکھتے ہیں، اپنے مقاصد کی خاطر ہر قسم کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ان کے پاس عوام کو مشغول رکھنے کے لیے کام ہے، یہ تمام پہلو اس وقت کی مضطرب و بے چین طبیعتوں کے لیے مقناطیس کی سی کشش رکھتے ہیں، ان لادینی تحریکات کا مقابلہ کرنے کے لیے نہ محض نظری فلسفے موزوں ہیں، نہ کاغذی خاکے، نہ محض دلائل وبراہین اور نہ محض دعوتیں جو خواص کے دائرہ میں محدود ہیں اور عوام کو خطاب کرکے اور ان کو کام پر لگانے کے لیے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، یہ لادینی (یا کم سے کم مادی) تحریکیں تمام دنیا میں آگ کی طرح پھیل رہی ہیں اور ان کی سرنگیں تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں، ان تحریکات کا مقابلہ صرف وہ دینی تحریک کرسکتی ہے جو عوام سے ربط وتعلق پیدا کرنا ضروری سمجھتی ہو، اس کے کارکن کسی طبقہ کو نظر انداز نہ کریں، وہ غریب کا کوئی جھوپڑا، کسان کا کوئی کھلیان نہ چھوڑیں، کارگاہوں میں جائیں، بیٹھکوں اور چوپایوں میں بھی اپنا خطاب کریں، ان میں سرگرمی، جفاکشی اور سخت جانی محنت کشی، لا دینی دعوت وتحریک کے پُرجوش کارکنوں سے کم نہ ہو اور خیر خواہی ودلجوئی اور سوزی و دردمندی ان میں ان سے کہیں زائد ہو؛ اس لیے کہ وہ صرف ان کی معاشی حالت بلند کرنا چاہتے ہیں اور ان کو صرف ان کی ظاہری پست حالی کا درد ہے؛ لیکن اس دینی دعوت کے کارکنوں کا کام اس سے کہیں زیادہ بلند ہے، ان کی خدا فراموشی، بہیمانہ زندگی کا درد ہے جس میں اللہ کی یہ مخلوق پڑی ہوئی ہے، اور یہ ان کی دینی، اخلاقی، روحانی اور ذہنی سطح بلند کرنا چاہتے ہیں، مقاصد کے اسی فرق وتفاوت کے ساتھ جدوجہد، دلسوزی، سرگرمی میں زیادتی درکار ہے" (دینی دعوت: ۳۲۵۔۳۲۶)

حضرت مولانا کی اس چشم کُشا تحریر کی روشنی میں علماء اور عوام کے درمیان ربط وتعلق کی اہمیت، اس بے دینی کے ماحول میں تغیر وتبدیلی لانے اور اسے اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ فضا میں بدلنے، غیر مذہبی تحریکات کے مقابلے میں ہماری کوشش اور مساعی کے بالکل حقیر، معمولی اور نا تمام ہونے کا احساس اپنی محنت، جدوجہد، دعوت واصلاح کی راہ میں اپنی قربانی کی مقدار کو بڑھانے کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

اس وقت لادینی تحریکات جس سُرعت وقوت کے ساتھ اُفقِ عالم پر پھیل رہی ہیں اور جو وسعت اختیار کررہی ہیں، اس بے دینی کے سیلاب بلاخیز پر اگر کوئی بند لگاسکتے ہیں اور اس کے خطرناک اور بھیانک اثرات کو روک سکتے ہیں تو وہ علماءِ دین ہیں؛ لیکن اس کے لیے انھیں عمومی دعوت، عمومی تعلیم وتربیت اور عمومی نقل وحرکت اور جدوجہد کی راہ اپنانا ہوگا اور عوام سے گھل مل کر حتی الامکان ان کے مسائل سے واقفیت اور ان کے حل کی حتی المقدور کوشش اور ان کی ضروریات کی تکمیل کے امکانات پیدا کرنا، ان کے درمیان رہ کر ان سے براہِ راست ربط وتعلق قائم کرکے ان کو بیرونی خطرات سے محفوظ کرنا ہوگا، اللہ عزوجل توفیقِ ارزانی عطا کرے۔

وقتِ فرصت کہاں، کام ابھی باقی ہے   نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

آزادی نسواں کا نمونہ: امیزنی خواتین

تحریر: مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

آج سے قبل، بہت قبل، دو ہزار سال سے بھی قبل، کہتے ہیں، کہ خطۂ حکمت ودانش، یونان تمدن نشاں کے مضافات میں، علاقہ کیپڈوسیا یا ایشیائے کوچک میں، بحر اسود کے قریب، دریائے تھرموڈان کے کنارے کنارے، ایک جنگجو قوم آباد تھی۔ کام ہی لڑنا بھڑنا، مارنا اور مرنا تھا۔ ایک ایک فنون سپہ گری میں طاق، تیراندازی میں مشاق، نیزہ بازی میں شہرۂ آفاق، ہمت ومردانگی کی دھاک دُور دور بیٹھی ہوئی، نزدیک ودُور کی ہر قوم اس کے نام سے لرزتی ہوئی............۔

مرد اِس ''جواں مرد'' قوم میں ایک نہ تھا جی! زیادہ وکم کا سوال نہیں، ایک بھی مرد اس ساری قوم میں نہ تھا، صرف عورتیں ہی عورتیں تھیں! آبادی ساری عورتوں ہی کی، عورتیں ہی حاکم اور عورتیں ہی محکوم۔ عورت ہی بادشاہ، عورتیں ہی رعایا۔ عورتیں ہی پیدل، عورتیں ہی سوار! عمر بھر بغیر شادی بیاہ کے رہتیں۔

جب بچوں کی ضرورت ''ملک وقوم'' کو محسوس ہوتی، یہ شیر دِل خواتین، پڑوس کے مردانہ ملکوں میں چند روز کے لئے چلی جاتیں، اور جب اولاد پیدا ہوتی، تو لڑکے سب ضائع کردیئے جاتے، یا غیر علاقوں میں اپنے باپوں کے پاس بھیج دیئے جاتے، اور صرف بچیاں زندہ رکھی جاتیں، وہ ایک خاص نظام کے ماتحت، مردانہ تربیت پاتیں، اور دنیا پر اپنی مردانگی کا سکّہ بٹھادیتیں!

انگریزی کتابوں میں قوم کا نام Amozon امیزن آتا ہے۔ اسے اُردو میں اپنانا چاہئے تو امیزنی کہہ لیجئے۔ یونانی میں لفظ کے لغوی معنی ہیں ''بغیر سینہ کے''۔ کلاسیکل ڈکشنری میں اس کی تشریح یہ لکھی ہے، کہ لڑکی جب جوان ہوتی، تو داہنی طرف کا سینہ داغ داغ کر جلادیا جاتا، تاکہ سیدھے ہاتھ کی سپاہیانہ جنبشوں میں آسانی رہے۔ اسی لئے قوم کا نام پڑ گیا ''بغیر سینہ والیاں''!............۔

مقصد گزارش صرف اس قدر ہے کہ ''ترقی نسواں'' کا یہ ہنگامہ جو آج بوڑھوں اور بوڑھیوں تک کو بدمست کئے ہوئے ہے، اس میں جدت اور ندرت کا پہلو کون سا ہے؟ دنیا تو اس سے پہلے اس ''ترقی'' سے کہیں بڑھے چڑھے منظر دیکھ چکی ہے، عورت مرد پر غالب بار بار آچکی ہے، اور وہ سب کچھ کر گزری ہے جس کے تصور سے اچھے اچھے مرد بھی تھرّا جاتے ہیں، یہ الگ سوال ہے کہ کس قیمت پر، اور اپنی نسائیت کو کتنے سستے داموں بیچ کرکے، برباد کرکے، ذبح کرکے!

ترقی کے اس میدان میں، تو ابھی مشرقی عورت، بہت پیچھے ہے، بہت ہی پیچھے ہے۔ اِس معیار سے تو ابھی لندن

کی زنانہ پولیس، اور امریکہ کی زنانہ خفیہ پولیس، اور جرمنی کی حسین جاسوسنیں، اور روس کی زنانہ فون، سب ہی ابھی پستی میں ہیں، تاریکی میں ہیں، حالتِ جمود میں ہیں۔

یہاں تو ابھی ''ترقی'' و ''تجدد'' کی کُل کائنات بس اسی قدر ہے نہ، کہ کوئی بڑا سا امتحان پاس کرلیا، اونچی سی ڈگری حاصل کرلی، زنانہ کانفرنسوں میں خطبۂ صدارت کا، یا کسی تجویز پر تقریر کا موقع مل گیا تو اسٹیج کو ہلا ڈالا، کونسل یا اسمبلی میں پہونچ ہوگئی، تو ایوان کے در و دیوار میں زلزلہ ڈال دیا، زلفیں کٹا ڈالیں، جسم برہنہ کردیا، ''منع حمل'' کا لٹریچر پڑھ ڈالا، اِس ''علم'' کو ''عمل'' میں تبدیل کردیا؟..........۔

ابھی بیسویں صدی مسیحی کی ''امیزنیاں'' پیدا کہاں ہوئی ہیں؟ جب ابھی مغرب ہی میں نہیں وجود میں آئی ہیں، تو مشرق میں کہاں سے نمودار ہوسکتی ہیں؟ صائبؔ نے کیا خوب اپنے ایک مقطع میں کہا ہے کہ نظیریؔ کے مرتبہ پر جب عرفیؔ بھی نہ پہونچ سکا، تو صائبؔ بیچارہ کس شمار قطار میں ہے!

صائب چہ خیال ست شوی ہمچو نظیری
عرفیؔ بہ نظیریؔ نہ رسانید سخن را!

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں و فحش لٹریچر سے متأثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن و حدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و تمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔ قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

کفر کی دہلیز پر ایمان کی حفاظت

مولانا محمود الحسن مدراسی

ہم مرزا واڑا دیکھنے کے لیے والد صاحب کے ساتھ گاڑی میں روانہ ہوئے۔ مفتی ذیشان صاحب نے سفر کے آغاز پر فرمایا: ''نیت: ہدایت اور عبرت کی ہونی چاہیے، نہ کہ سیاحت کی''۔ مرزا واڑا ہمارے محلے سے تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ ایک قادیانی اکثریتی علاقہ ہے، جہاں ان کی شناخت کی مخصوص علامات ہوتی ہیں بی- مردوں کی ٹوپیوں سے لے کر عورتوں کے برقعے کے انداز تک- جو اہلِ علم کے لیے پہچاننے میں آسان ہیں۔

قادیانیوں کے اس علاقے کے قریب ہی ہندوؤں کا ایک مندر بھی واقع ہے، جس سے وہاں کے ماحول کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے: کفر اور ظلمت کا اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ البتہ، الحمدللہ! اسی تاریکی کے بیچ ایک عرب متمول شخص کی سرپرستی میں حفظ کا مدرسہ بھی جاری ہے۔ اس مدرسے کے بالکل سامنے قادیانیوں کا دفتر ہے۔ گویا، ایک طرف حق واسلام کا مرکز ہے اور دوسری طرف باطل وکفر کا گڑھ۔ ہم ابھی پہنچنے ہی والے تھے کہ ایک شخص سے ملاقات ہوگئی۔

ہم نے اس سے قادیانی دفتر کا پتہ پوچھا، تو اس بھولے بھالے مسلمان نے کہا: ''میں وہیں سے آ رہا ہوں۔'' وہ ابھی جماعت میں شامل نہیں ہوا تھا، البتہ اس کا ارادہ ضرور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی حفاظت کا سامان پیدا فرما دیا۔ ہم نے اسی کو ذریعۂ نجات سمجھ کر گاڑی روکی اور قریبی دھوبی کی دکان پر جا بیٹھے۔ وہیں اس کے دو بیٹے بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک نے جامعۃ الرشید سے قرآن مکمل کیا تھا اور دینی تعلیم آگے بڑھانے کا خواہشمند تھا، جبکہ دوسرے نے 22 پارے حفظ کیے ہوئے تھے۔

مرزائیوں کا سالانہ جلسہ شروع ہو چکا تھا، اسی لیے ان کے دفتر میں ٹی وی لگا ہوا تھا، جس پر براہ راست مجلس نشر ہو رہی تھی۔ وہ شخص، مرزائیوں کی مجلسوں میں جانے کی وجہ سے قادیانیت کی تاریخ سے واقف ہو چکا تھا۔ وساوس اور شبہات سے اس کا ذہن بوجھل ہو چکا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ تبلیغی جماعت میں چلہ لگا چکا ہے اور اسے اکابرین کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، جیسے کہ حاجی عبدالوہاب صاحبؒ، مولانا طارق جمیل صاحب اور مولانا منظور مینگل صاحب کی صحبت نصیب ہوئی۔

اس کے ذہن میں یہ اشکال تھا کہ ''جماعتِ احمدیہ (قادیانی) بھی تو وہی کام کرتی ہے جو تبلیغی جماعت کرتی ہے۔ نماز، تلاوت، سب کچھ ویسا ہی ہے، تو پھر ایک مسلمان اور دوسرا کافر کیوں''؟ یہ سوال اس کے دل میں جگہ بنا چکا تھا، اور وہ

تذبذب میں مبتلا تھا کہ کسے مانے اور کسے چھوڑے۔

معاشی طور پر بھی وہ پریشان حال تھا، اور یہی پریشانی اسے وہاں تک لے آئی تھی۔ درحقیقت، مرزائی ایسے ہی کمزور لوگوں تک پہنچتے ہیں اور ان کی مالی امداد (راشن وغیرہ) کے ذریعے ان کا ذہن متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ شخص بھی اس بات کا اعتراف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: ''میرا ایمان کمزور ہو گیا ہے۔'' اس نے یہ حدیث بھی پڑھی: ''کَادَ الفقرُ أنْ یَکونَ کُفرًا''۔ یہ سن کر اندازہ ہوا کہ اسے ارتداد کا احساس تو ہے، اور یہ بھی بہت بڑی بات ہے۔

باتوں باتوں میں اسے ہنسی بھی آ رہی تھی، معلوم نہیں اپنی نادانی پر، مرزائیوں کے شبہات پر یا ہمارے چہروں کو دیکھ کر۔ بات کا آغاز ہوا، تو پوچھنے پر بتایا کہ کسی راجستھان کے ساتھی نے اسے یہاں کا راستہ دکھایا۔ یہ علاقہ ملائیشیا میں ''باتو کیوز'' (Batu Caves) کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ہندوؤں کی آبادی کے ساتھ ساتھ مرزائی بھی بستے ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں مرزائیوں کا مرکزی دفتر بھی واقع ہے۔

پھر بات عقیدے کی طرف مڑ گئی۔ ہم نے اسے سمجھایا کہ عقیدہ صرف زبانی اقرار کا نام نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو دورِ نبوی کے منافقین سب سے بڑے مسلمان ہوتے، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں جھوٹا قرار دیا۔ اس کے بعد اُس نے اپنے ذہن میں موجود چند شبہات پیش کیے، جن کا تسلی بخش جواب دیا گیا۔ ان میں ایک سوال یہ تھا: ''اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتی بن کر آئیں گے، تو کیا یہ نبی کے مرتبے میں کمی نہیں ہے؟''۔

جواب میں بتایا گیا: ''جیسے کسی ملک کا صدر جب کسی دوسرے ملک کا دورہ کرتا ہے تو اگرچہ وہ اپنے ملک میں صدر ہوتا ہے، مگر دوسرے ملک میں اسے حکومت کا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ صرف مہمان صدر ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود امتی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے۔''

گفتگو کے دوران اس نے یہ بھی بتایا کہ جب وہ دفتر سے واپس لوٹ رہے تھے، تو اس سے اس کا اک بیٹا قادیانیت کے مسئلے پر بحث کر رہا تھا۔ یوں محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی بحث کے فیصلے کے لیے منتخب علماء کو ان کے سامنے بھیج دیا ہے۔ اس موقع پر یہ بھی اندازہ ہوا کہ لڑکے اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم ہیں، اور شاید ان کے والد ہی انہیں قادیانیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بعد ازاں، معاشی مسائل پر بھی بات چیت ہوئی۔

ان کے دو بیٹوں کو باہر لے جا کر عقیدے اور اسلام کی بنیادی باتیں سمجھائی گئیں۔ دھوبی کی دکان کے پاس والی دکان میں کچھ افراد بیٹھے تھے، جن کے بارے میں اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کس سے وابستہ ہیں۔ کچھ دیر بعد مفتی صاحب نے کہا کہ جب وہ ان کے والد سے اندر گفتگو کر رہے تھے تو کوئی خاص بوجھ محسوس نہیں ہوا۔ لیکن جیسے ہی وہ گلی میں آ کر بچوں سے بات کرنے لگے، تو انہیں چکر سا آیا اور دھندلا پن محسوس ہوا۔ انہوں نے کچھ وظائف پڑھے اور گفتگو جاری رکھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس دکان میں بیٹھے افراد مرزائی تھے۔ اس پر مفتی عبدالرؤوف صاحب نے کہا: ''یہ ان کی نظرِ بد کا اثر ہے۔''

ہماری درخواست پر وہ صاحب ہمیں اپنے گھر لے گئے، جہاں ان کے اہلِ خانہ بھی موجود تھے۔ راستہ پار کرتے ہوئے ہم منزل پر جا پہنچے۔ گھر ایک کمرہ نما جگہ تھی جہاں اہل خانہ رہتے تھے۔ کل چار بچے تھے اور ایک چولہا تھا، جس پر ان کے لیے کھانا پکایا جاتا تھا۔ ہم جا کر بیٹھے۔ پہلے پندرہ منٹ عقائد پر بات ہوئی اور بنیادی طور پر یہ سمجھایا گیا کہ اسلام کے تین بنیادی عقائد ہیں: عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت۔ یہ بھی بتایا گیا کہ معاشی حالات سے تنگ ہو کر ایمان بیچ دینا کوئی کارِ خیر نہیں ہے۔ ان بچوں نے بتایا کہ ہم اپنے والد کو وہاں جانے سے منع کرتے ہیں۔

پھر ایک چھوٹی بچی گویا ہوئی: ''میری ایک اُستانی تھیں جو ختم نبوت پر کام کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے انہیں اسکول سے نکال دیا گیا۔ وہ بچوں کو سمجھاتی تھیں کہ قادیانی کس طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ انہی کی باتوں سے میں بہت کچھ سمجھ گئی اور ان کے مکر و فریب سے بچ گئی۔

میرے والد خود بھی کہتے ہیں کہ میرے ایمان کی حفاظت اسی بچی کی وجہ سے ہوئی۔ ایک بار تو انہوں نے کہا کہ ٹک ٹاک پر جہاں بحث ہوتی، میں اس بچی کو کہتا کہ وہ ان سے بات کرے۔ بچی چونکہ چھوٹی تھی، عالمہ نہیں تھی، اکثر ہار جاتی، مگر اس نے اس ہار کو بنیاد بنا کر، ایمان نہیں چھوڑا۔'' یہ سن کر والد محترم بولے: ''دیکھو! تعلیم بچوں، خصوصاً بچیوں، پر کیسا اثر ڈالتی ہے!'' ہم سب حیرت میں پڑ گئے۔

پھر سب کو مرزائیت پر لعنت بھیجوا کر کلمہ پڑھایا گیا۔ اس منظر سے ایمان تازہ ہو گیا۔ مزید تازگی کے احساس میں ہم نے بھی کلمہ پڑھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لیں، مگر انہوں نے کہا: ''نہیں، اب کچھ نہیں پوچھنا۔'' انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم دوبارہ وہاں نہیں جائیں گے۔ والد صاحب نے ان کے بچوں کو مدرسے میں داخلہ لینے کی ترغیب دی، جس پر وہ آمادہ ہو گئے۔

جب دعا کی گئی تو سب پر رقت طاری ہو گئی۔ اور ہونی بھی چاہیے تھی، کہ سب سے قیمتی سرمایہ ایمان واپس ملا تھا۔ ہم نے نم آنکھوں سے سجدۂ شکر ادا کیا۔ الوداع کہنے کے لیے وہ بچوں سمیت نیچے آئے، جہاں گاڑی کھڑی تھی۔ جیسے ہی ہم وہاں پہنچے، کچھ نوجوانوں نے انہیں گھیر لیا اور پوچھنے لگے: ''ہم کافی دیر سے دیکھ رہے تھے، مولوی حضرات آپ اور بچوں سے بات کر رہے تھے، آپ انہیں گھر بھی لے گئے... کیا معاملہ ہے؟''۔

ہم فوراً گاڑی میں بیٹھے اور نکل گئے، کیونکہ رات کا وقت تھا، محلہ قادیانیوں کا تھا، اور ہم چہرے اور لباس سے اجنبی لگ رہے تھے۔ اگلے دن ان کی کال آئی۔ بتا رہے تھے کہ شب بیداری کے لیے وہ اپنے دو بچوں کے ساتھ مرکز جا رہے ہیں۔ پھر بتایا کہ دھوبی کی دکان، جہاں بات چیت کا آغاز ہوا تھا، وہاں جو عورت آئی تھی وہ بھی قادیانی تھی۔

اور واپسی پر جن لوگوں نے انہیں گھیر لیا تھا، وہ بھی مرزائی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر کہا: ''اچھا ہوا کہ میں نے ان سے کوئی کاغذات وغیرہ کا لین دین نہیں کیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ لوگ بروقت پہنچ گئے اور اللہ نے مجھے ان سے

بچالیا۔‘‘ہم نے یہ ساری باتیں مفتی ابرار صاحب کے سامنے رکھیں تو وہ بہت خوش ہوئے۔

تعلیمی انتظام کے سلسلے میں والد صاحب نے انہیں مدرسہ آنے کی دعوت دی۔ جب وہ پہنچے تو عشاء کا وقت تھا۔نماز ادا کرنے کے بعد انہیں داخلہ فارم دیا گیا، جسے انہوں نے خوشی خوشی قبول کر لیا۔اس دوران وہ اپنے ماضی کے دلچسپ واقعات سناتے اور خود بھی ہنستے رہے۔

چند دن بعد وہ دوبارہ مدرسہ آئے۔اس بار ضروری سامان کے ساتھ اپنا بچہ بھی لائے،اور یوں مکمل قرآن کے دورہ کے لیے بچے کا مدرسے میں داخلہ ہو گیا،الحمدللہ۔والد صاحب نے انہیں مشورہ دیا کہ محلہ تبدیل کر لیں اور گھر کسی دوسرے مقام پر لے جائیں، کیونکہ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہاں کے مقامی لوگ کب کیا سوچیں یا کر بیٹھیں۔

اگلے دن بچے سے ملاقات ہوئی۔انھیں مدرسے کے اصول اور یہاں کے قواعد سمجھائے۔ چونکہ وہ پہلے بھی مدرسے میں پڑھ چکا تھا،اس لیے مختصر رہنمائی کافی رہی۔آخر میں انھیں نصیحت کی کہ چونکہ ان کی زبان اردو ہے اور یہاں کی زبان ملایو،اس لیے یہاں رہتے ہوئے ملایو سیکھ لیں، کیونکہ بعد میں موقع نہیں ملے گا۔اسی طرح انہیں اردو سکھادیں،تاکہ وہ بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا سکیں۔

یہ تجربہ زندگی کا پہلا اور نہایت انوکھا رہا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھے،اور آخر دم تک اسلام پر عمل کرتے ہوئے ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت فرمائے۔آمین!

اختلاط مرد وزن کے نقصانات

مولانا محمد اقبال گجرات

یورپ میں مرد عورت کے ایک دوسرے کے ساتھ اسکول کالج، کلب اور پارٹیوں میں آزادانہ اختلاط اور ننگے پن نے شہواتی جذبات کواس طرح ابھارا کہ نکاح کا طریقہ ناکافی ثابت ہوا، چنانچہ آہستہ آہستہ آزاد جنسی تعلقات والا ذہن پیدا ہوا، نیا لٹریچر بڑے پیمانے پر شائع ہونے لگا، جس میں مرد عورت کے درمیان آزاد جنسی تعلقات کو فطری اور بے ضرر قرار دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ نکاح کو بوجھ سمجھ کر اس سے دور بھاگنے لگے، نوجوان لڑکے لڑکیوں نے نکاح کے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر کے رہنا شروع کر دیا، نکاح کا بندھن ٹوٹ گیا، تو محبت والا تعلق نہیں رہا، بلکہ ہر ایک نے دوسرے سے اپنے فائدہ کی چیز تلاش کرنی شروع کی، جس کے نتیجہ میں کڑواہٹ پیدا ہو کر ایک دوسرے سے علیحدگی پیدا ہوئی۔ عورت کے معاشی استقلال نے طلاق کی کثرت میں اور زیادہ اضافہ کیا، انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا 1984 / نے بتایا کہ دنیا کے صنعتی ملکوں میں طلاق کی شرح میں اضافہ کی وجہ عورتوں کا کمانے میں مردوں کا محتاج نہ ہونا ہے، ایک امریکی اخبار (The Plain Truth 1987) کے مطابق فرانس میں 50 فیصد شادیاں طلاق پر ختم ہوتی ہیں، کناڈا میں 40 فیصد اور امریکہ میں 50 فیصد شادیاں طلاق پر ختم ہوتی ہیں، امریکہ کی دس عورتوں میں سے چھ وہ ہیں جو طلاق کا تجربہ کر چکی ہیں۔

یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور * زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر

برطانیہ میں جو بچے پیدا ہو رہے ہیں، ان میں ہر پانچ میں ایک بچہ وہ ہوتا ہے، جو ناجائز جنسی تعلق کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے، اسی طرح ہر تین حمل میں سے ایک حمل غیر شادی شدہ جوڑوں کے ذریعہ قرار پا رہا ہے۔

یہ ناجائز بچے اس حال میں دنیا میں آتے ہیں کہ انہیں نہ اپنے باپ کا علم ہوتا ہے، اور نہ اپنی ماں کا۔ وہ سرکاری اداروں میں پلتے ہیں۔ اور پھر جانور کی طرح سماج میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مغربی ملکوں میں طلاق کی کثرت نے بھی یہی صورت حال پیدا کی ہے، مغربی ملکوں میں نکاح کا رشتہ بے حد کمزور ہو گیا ہے، معمولی معمولی باتوں میں عورت اور مرد کے درمیان طلاق ہو جاتی ہے، ان طلاقوں نے بہت بڑے پیمانہ پر وہ مسئلہ پیدا کیا ہے جس کو اجڑے ہوئے گھر (Broken homes) کا مسئلہ کہا جاتا ہے، عورت اور مرد جب طلاق لے کر جدا ہوتے ہیں تو عین اسی وقت وہ اپنے بچوں کو بھی ماں اور باپ کے سایہ سے محروم کر دیتے ہیں۔ یہ تمام بچے معاشرہ میں جانوروں کی طرح پلتے ہیں۔ اور پھر انہیں کے اندر سے مجرمانہ کردار ابھرتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا (1984ء) نے کم سن مجرمین کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی کے بوکھلا دینے والے سماجی روگوں میں سے ایک روگ وہ ہے جس کو کم سنی کا جرم کہا جاتا ہے، یہ ایک عالمی روگ ہے اگرچہ کیفیت اور رفتار کے اعتبار سے ایک ملک اور دوسرے ملک میں فرق پایا جاتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا

1984ء میں لکھا ہوا ہے کہ اس قسم کے بچے اکثر نفسیاتی بے اعتدالی میں مبتلاء ہوتے ہیں، امریکہ میں ہر سال تقریباً 300 بچے اپنے ماں باپ کو قتل کرتے ہیں۔ آسٹریلیا کی مشہور آزادی پسند خاتون محترمہ جرمین گریئر نے بڑی عمر کو پہنچ کر یہ اعتراف کیا ہے کہ نوجوانی کی عمر میں آزادیٔ نسواں کے لئے ان کا جوش وخروش حقیقت پسندانہ نہ تھا، انھوں نے ایک انٹرویو (انڈین اکسپریس 14/ جنوری 1987) میں کہا: ''آج جو چیز پریشان کن ہے وہ آزاد صنفی تحریک کے نتائج ہیں، کم عمر لڑکیاں جو 12، اور 13 سال کی عمر میں مانع حمل گولیوں پر رہنے لگتی ہیں، اور وہ لڑکیاں جو 15، اور 16 سال کی عمر میں حاملہ ہوجاتی ہیں، مرد عورت کے ایک دوسرے کے ساتھ غلط تعلقات نے ایڈز جیسی مہلک بیماری کو جنم دیا ہے۔

ایڈز کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ایک متعدی مرض ہے، چنانچہ یہ مرض اب نئے قسم کے اچھوت پیدا کرنے کا سبب بن رہا ہے، جو مرد یا عورت ایک بار ایڈز میں مبتلا ہوجائے، لوگ ان سے دور بھاگنے لگتے ہیں، کیوں کہ انھیں اندیشہ ہوتا ہے کہ انہیں بھی یہ مرض لگ جائے گا، بعض مغربی ملکوں میں باربر شاپ پر اس قسم کے نشانات نظر آنے لگے ہیں جن کے اوپر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ شیو کے لئے یہاں نہ آئیں؛ حکومتی ذمہ داروں نے اس کو ایڈز ہسٹریا کہا ہے، تاہم بار بر حضرات کا کہنا ہے کہ مریض کے چہرے کا پسینہ یا شیو کرتے ہوئے معمولی سا خون نکل آنا بھی بیماری کے پھیلنے کا سبب بن سکتا ہے، اس لیے احتیاطی طور پر ایسے مریضوں سے بچنا ضروری ہے۔ ٹائمس کے محققین کی جماعت نے تفصیلات پیش کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ اس مہلک مرض کا سب سے بڑا سبب آزادانہ جنسی تعلق ہے، اسی بنا پر اس مرض کو رنڈی کا مرض کہا جاتا ہے، یہ مرض بہت تیزی سے پھیلتا ہے، ایڈز کی ہلاکت خیزی کو دیکھ کر ایک مبتلائے مرض نے کہا: آہ! اس دنیا کا کیا ہوگا؛ اگر ہمارا حال یہ ہوجائے کہ ہم کو محبت کرنے کے لئے مرجانا پڑے، ایڈز اس صدی کی آفت ہے۔

تنگ آجائے گی خود اپنے چلنے سے دنیا * تجھ سے سیکھے گا زمانہ تیرے انداز کبھی

آزادانہ جنسی تعلق، جس کو مغرب میں خوبصورت طور پر آزادانہ محبت کہا جاتا ہے، وہ اب لوگوں کے لیے عذاب بنتا جارہا ہے، 1991 تک امریکہ میں 2,70,000 افراد اس مرض میں مبتلا ہوچکے ہیں، جن کا علاج کرنا امریکی ڈاکٹروں کے قابو سے باہر ہے۔ قرآن مجید میں ہدایت کی گئی تھی کہ عورتوں کے ساتھ جنسی تعلق قید نکاح میں لاکر کرو، نہ کہ بدکاری کے طور پر کرنے لگو ''محصنین غیر مسافحین'' (مائدہ:5) مفسرین نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے کہ عورتوں کے ساتھ نکاح کے ذریعہ تعلق قائم کرو، نہ کہ زانی بن کر (یعنی متزوجین غیر زانین) تجربات نے بتایا کہ یہی طریقہ صحیح فطری طریقہ ہے، مناکحت اور مسافحت میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ ایک اگر زندگی ہے تو دوسرا موت، ایک طریقہ انسانی سماج کے لئے رحمت ہے، تو دوسرا طریقہ انسانی سماج کے لئے عذاب۔

آزادیٔ نسواں کے دلفریب نعروں نے ہی یورپ کی عورتوں کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لا کھڑا کیا، اسے دفتروں میں کلرک اور اجنبی مردوں کی پرائیویٹ سیکریٹری کا اعزاز بخشا گیا، تجارت چمکانے کے لئے سیلز گرلز اور ماڈل گرلز کا شرف بخشا

گیا، اس کے ایک ایک عضو کو برسرِ بازار رسوا کر کے گاہکوں کو مال خریدنے کی دعوت دی گئی، تجارتی اداروں کے لئے ایک شوپیس اور مرد کی تھکن دور کرنے کا تفریحی کھلونا بنایا گیا، دنیا بھر کے تمام نچلے درجے کے کام عورت کے سپرد کئے گئے، پروپیگنڈے کی قوتوں سے یورپی تہذیب نے یہ عجیب وغریب فلسفہ لوگوں کے ذہنوں پر مسلط کر دیا کہ عورت اگر گھر میں اپنے شوہر، ماں باپ، بھائی اور اولاد کے لئے گھر کے کام کاج کرے تو یہ قید اور ذلت ہے، لیکن وہی عورت اجنبی مردوں کے لئے کھانا پکائے، ان کے کمروں کی صفائی کرے، ہوٹلوں اور جہازوں میں ایئر ہوسٹس بن کر سینکڑوں انسانوں کی ہوسناک نگاہوں کا نشانہ بنے، دکانوں پر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے، دفتر میں افسروں کی ناز برداری کرے، تو اس کا نام آزادی اور اعزاز ہے، اس کے بعد بھی عورت تو مردوں کے ظلم کا بدستور شکار رہی، آفس اور گھر کے دوسرے بوجھ تلے دبنے کے بعد بھی مرد ان کی پٹائی کر رہے ہیں، زنا بالجبر ان کے ساتھ ہو رہا ہے۔

ایک جائزہ کے مطابق امریکہ میں ہر 18 سیکنڈ میں ایک عورت ماری جاتی ہے، کبھی اپنے شوہر کے ہاتھوں اور کبھی اپنے دوست لڑکے کے ہاتھوں۔ ٹائم میگزین امریکہ کی 1972 کی رپورٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ سائنس کے تمام متعلقہ شعبوں کی تحقیق کے مطابق مرد ہی جنس غالب (Dominant Sex) ہے، مرد عورت کے درمیان جو فرق پایا جاتا ہے وہ محض جنسی اعضاء کی خاص شکل، رحم کی موجودگی، حمل یا طریقہ تعلّم کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ نسیجوں کی بناوٹ سے پیدا ہوتے ہیں جو پورے نظام جسمانی میں خصوصی کیمیائی مادّے کے سرایت کرنے سے ہوتے ہیں، جو کہ خصیۃ الرحم سے نکلتے ہیں، عورت کے جسم کے ہر خلیے میں زنانہ پن کا اثر موجود ہوتا ہے۔ امریکی سرجن Edgar Berman کا فیصلہ ہے کہ عورتیں اپنی ہارمون کیمسٹری کی وجہ سے اقتدار کے عہدے کے لئے جزباتی ثابت ہوسکتی ہیں میل ہارمون اور فیمیل ہارمون کا فرق دونوں میں پیدائشی ہے۔

موجودہ زمانہ میں خالص علمی طور پر یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان بنیادی پیدائشی فرق پائے جاتے ہیں، انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا 1984 میں خواتین کی حالت پر ایک مفصل مقالہ ہے اس مقالہ کا ایک ذیلی عنوان یہ ہے: ''مرد اور عورت کے فرق کا علمی مطالعہ'' مقالہ کے اس حصہ میں مقالہ نگار نے دکھایا ہے کہ جدید تحقیقات ثابت کرتی ہیں کہ عورت اور مرد کے درمیان عین پیدائشی بناوٹ کے اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔

اب یورپ اور امریکہ کو معلوم ہو چکا ہے کہ فطرت اور نیچر کی خلاف ورزی نے ایسے ایسے مسائل پیدا کئے ہیں جن کا حل موجودہ یورپی تہذیب وحکومتوں کے پاس نہیں ہے، اب خود وہی لوگ اس طریقہ کے مخالف ہیں، جو پہلے عورتوں کی آزادی کے حامی تھے۔ یہی بات انگلینڈ کی ایک ماہر نفسیات اولیور جیمز نے مس ڈیانا کی موت کے پس منظر میں تفصیل سے لکھتے ہوئے کہا ہے کہ انگلینڈ اور ویلز کے پولیس ریکارڈ کے مطابق 1950 میں تشدد آمیز جرائم کی تعداد 6000 تھی، جبکہ 1996 میں یہ تعداد دو لاکھ انتالیس ہزار (2,39,000) ریکارڈ ہوئی ہے، آج کا نوجوان افسردگی کا شکار ہے، ماں باپ میں فاصلے بڑھ گئے، والدین اور بچوں کے تعلقات میں فرق ہو گیا ہے، بوڑھے ماں باپ اور اولاد کے بندھن ٹوٹ گئے،

مس اولیورآ گے لکھتی ہیں کہ مس ڈیانا بھی بدمزہ شادی اور پھر طلاق کے قصوں کے علاوہ ہماری سوسائٹی کی عورتوں والے انہیں مسائل کا شکار تھی، اوراس کے لئے یادگاری رجسٹروں میں دستخط کرنے والی بھی 80 فیصد عورتیں ہی تھی۔

بیسویں صدی کے آخر میں پہنچ کر امریکہ کا دانشور طبقہ اس بات کا اعتراف کررہا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں امریکہ نے جس چیز کو ترقی کا زینہ سمجھ کر اختیار کیا تھا، وہ اس کے لیے صرف بربادی کا زینہ ثابت ہوا ہے، عورت کو گھر سے باہر نکالنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ کا خاندانی نظام بالکل منتشر ہوکر رہ گیا، مزید یہ کہ عورت کو" آزاد" کرانے کا خوش نما منصوبہ عملاً ازدواجی زندگی کو غیر مستحکم بنانے کا ذریعہ ثابت ہوا، اوراس کے نتیجہ میں بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہوگئیں۔

اب امریکہ میں اس سابقہ فکر پر نظر ثانی کا ذہن پیدا ہورہا ہے، مگر جدید عورت چونکہ دوبارہ گھریلو عورت بننے کے لیے تیار نہیں ہے، اس لیے جو عورت نئی زندگی اختیار کرتی ہے اس کے حصہ میں صرف یہ آرہا ہے کہ وہ باہر کی ذمہ داریوں کے ساتھ گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھائے، کیسی عجیب ہے وہ ترقی جس کا نتیجہ بربادی کی صورت میں ظاہر ہو، کیسی عجیب ہے وہ آزادی جو عملاً غیر آزادی بن جائے۔

اس کے بالمقابل قرآن اور حدیث میں نہایت تفصیل کے ساتھ عورت کے متعلق احکام ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں سے معاملہ کرتے ہوئے ہمیشہ یہ ذہن میں رکھو کہ عورتیں فطری طور پر نازک اور جذباتی ہوتی ہیں، اللہ نے مخصوص مصالح کے تحت انہیں بالارادہ ایسا ہی بنایا ہے، اس لیے تم ان کے ساتھ ہمیشہ نرم برتاؤ کرو۔ کوئی بات بتانا ہو تو نرمی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بتاؤ اگر تم ان کے ساتھ سختی کروگے تو ان کی شخصیت اس کا تحمل نہ کرسکے گی، ان کا دل اسی طرح ٹوٹ جائے گا جس طرح پسلی سیدھا کرنے میں ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ ہے عورت کے بارے میں اسلامی اخلاق وتعلیم، جو دنیا کے کسی بھی مذہب، سماج اور قانون میں اس کو آج تک میسر نہیں ہوسکے۔

برطانیہ کی جن نومسلم خواتین سے "لندن ٹائمز" کے نمائندہ نے گفتگو کی اس کو ان خواتین نے بتایا کہ ہمارے لئے اسلام میں کشش کا سبب یہ ہوا کہ اسلام مرد اور عورت دونوں کے لئے الگ الگ دائرۂ کار تجویز کرتا ہے، جو دونوں کی جسمانی اور حیاتیاتی سانچوں کے عین مطابق ہے، ان کے نزدیک مغرب کی "تحریک نسواں" Feminism درحقیقت عورت کے ساتھ بغاوت تھی۔ تحریک آزادیٔ نسواں پر تبصرہ کرتے ہوئے ان خواتین نے کہا کہ اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ عورتیں مردوں کی نقالی کریں، یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں نسوانیت کی اپنی کوئی قدر وقیمت باقی نہیں رہتی۔

لندن ٹائمز لکھتا ہے کہ بہت سی نومسلم خواتین نے اسلام اور مغرب کا تقابل کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ اسلامی تعلیمات میں عورت کو زیادہ تقدس اور عظمت حاصل ہے جو مغرب میں عورت کو حاصل نہیں اور ان کے نزدیک مغرب کی تحریک آزادیٔ نسواں کا اس کے سوا نتیجہ نہیں ہوا کہ عورت دوہرے بوجھ تلے دب گئی ہے۔

نوجوان اور رقص

مولانا امداداللہ انور صاحب

رقص (ناچ) کا موجد:

امام ابن الحاج اپنی مشہور کتاب مدخل الشرع ص ۱۰۰، ج ۳، میں لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے جنہوں نے ناچنے اور جھومنے کو ایجاد کیا وہ سامری اور اس کے ساتھی یہودی تھے، جس کی تائید یہودی کتابوں میں ملتی ہے۔''

اور بائبل میں بھی اس کی صراحت ہے:

''دوسرے دن تہوار کے موقع پر تمام یہودی اپنے سنہری معبود بچھڑے کے قربانی دینے کے لئے جمع ہو گئے، پھر سب نے اس کے آگے سجدہ کیا۔ بعدازاں سب نے مل کر اس بچھڑے کے اردگرد ناچنا اور گانا شروع کر دیا۔''

معلوم ہوا کہ جس نے سب سے پہلے ناچ ایجاد کیا وہ سامری یہودی اور اس کے ساتھی تھے پھر یہ رسم یہود و نصاریٰ کی تمام امت میں سرایت کر گئی، بڑھتے بڑھتے تمام دنیا میں پھیل گئی افسوس اب تمام ممالک اسلامیہ میں یہ رسم پھیلی ہوئی ہے۔

مزاروں پر دھمال اور طوائفوں کے رقص سامری کی تقلید ہیں، ورنہ اسلام میں ایسی فحش اور بعید از اخلاق حرکات کی گنجائش کہاں ملتی ہے؟

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے بغداد میں ایک ایسی چیز دیکھی ہے جسے زندیقوں نے ایجاد کیا ہے یعنی گانا بجانا تاکہ مسلمان گانے بجانے کے شغل میں لگ کر قرآن اور نماز سے غافل ہو جائیں۔''

قرآن مجید کی روشنی میں ناچ گانے کی شدید مذمت:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَہۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ٭ۖ وَّ یَتَّخِذَہَا ہُزُوًا ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۶﴾

''اور لوگوں میں سے وہ شخص جو خریدتا ہے گمراہ کرنے والی بات کو تاکہ وہ گمراہ کرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے جاہلیت کے ساتھ اور پکڑے اس (دین) کو مذاق یہی لوگ ہیں کہ جن کے لئے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے۔'' (لقمان)

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ:

"لھو الحدیث" سے مراد وہ تمام باتیں ہیں جو کہ آدمی کو دینِ الٰہی سے غافل کر دیتی ہیں مثلاً جھوٹے افسانے وغیرہ اور خصوصاً ناچ گانا۔" (بحوالہ روح المعانی)

اکثر بلکہ تمام صحابہ کرامؓ اور تابعین حضرات نے "لھوا لحدیث" کی تفسیر گانا بجانا ہی بیان کی ہے۔ (تفسیر القرطبی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا کہ اس آیت میں "لھو الحدیث" سے کیا مراد ہے تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں اس سے مراد گانا ہے۔ (ابن کثیر)

امام حسن بصری بھی فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ گانے اور اس کے سازوں کی مذمت میں نازل ہوئی ہے۔ (ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ نضر بن حارث کافر نے ناچنے اور گانے والی دو لونڈیاں خرید رکھی تھی جس آدمی کو وہ دیکھتا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ اس پر اپنی ناچنے گانے والی ایک لونڈی کو مسلط کر دیتا وہ لونڈی اسے ناچنے گانے سے خوب مست رکھتی اور پھر نضر بن حارث اس آدمی سے کہتا کہ جس نماز روزے کی طرف محمد ﷺ دعوت دیتا ہے وہ بہتر ہے یا یہ ناچنا گانا فرمایا اس لعنتی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر، ابن کثیر، کشاف، بیضاوی)

"لھو الحدیث" سے مراد "ھو الغناء و اشباہ" یعنی موسیقی اور اس قسم کی دوسری چیزی ہیں۔ (الادب المفرد للبخاری، سنن بیہقی)

اسی آیت مبارکہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ سنا دیا کہ جو لوگ یہ کام یعنی ناچ گانا کرتے ہیں تو ان کے لئے قیامت کو ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

واستفزز من استطعت منھم بصوتک (الاسراء: ۶۴)

"اور تو (شیطان) گمراہ کر جتنی تیری طاقت ہے ان کو اپنی آواز کے ساتھ"۔ صوت سے مراد شیطان کا لوگوں کو نافرمانی کی طرف دعوت دینا ہے۔ علماء سلف نے اس شیطانی آواز سے گانا بجانا مراد لیا ہے۔ (قرطبی ابن کثیر، جلالین)

حضور اقدس ﷺ کے تشریف لانے کا مقصد:

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بلاشبہ میں (دنیا میں) بانسریاں (یعنی آلات موسیقی) توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔" (نیل الاوطار)

حضرت امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں کے لئے ہدایت و رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسری طنبور، صلیب اور امور جاہلیت کو مٹا دوں۔" (ابوداؤد)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ڈھول اور بانسری مٹادوں۔''(جمع الجوامع)

بانسری کی آواز سے بچنا:

حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ:

''حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں پر انگلیاں رکھ لیں اور اپنی سواری کو راستے سے موڑ لیا پھر کہنے لگے نافع! آواز آرہی ہے؟ حتیٰ کہ میں نے عرض کیا اب آواز نہیں آرہی ہے تو آپ نے اپنے کانوں پر سے ہاتھ ہٹالئے اور اسی راستے پر آ گئے، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے چرواہے کی بانسری کی آواز سن کر ایسا ہی کیا تھا۔''(ابوداؤد)

فائدہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بندوں کا شیوہ ہے کہ وہ گانا اور بانسری وغیرہ کی آوازیں جان بوجھ کر تو سنتے ہی نہیں لیکن اگر کبھی بلاقصد وارادہ بھی سننے میں آجائیں تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔

دوملعون آوازیں:

حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

''دو قسم کی آوازیں ایسی ہیں جن پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کی گئی ہے ایک خوشی کے موقعہ پر باجے تاشے کی آواز، دوسرے مصیبت کے موقعہ پر رونے اور نوحہ کی آواز۔''(رواہ البزار)

قیامت کی نشانیاں:

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''میری امت میں زمین میں دھنسنے، صورتیں بگڑنے، اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے عرض کیا گیا یارسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب گانے والیاں عام ہوجائیں گی اور شراب حلال سمجھی جائے گی۔''(ابن ماجہ)

واقعہ عجیبہ:

یہاں ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی عجیب تالیف غنیۃ الطالبین میں ذکر فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو حضور علیہ السلام کے جلیل القدر اور فقیہ صحابی ہیں ایک مرتبہ کوفہ کے نواح میں جارہے تھے کہ ایک مکان میں فساق وفجار کی مجلس لگی ہوئی تھی، شراب وکباب چل رہا تھا اور زاذان نامی ایک گویا طبلہ اور عود بجا کر نہایت ہی خوش الحانی سے گارہا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ عجیب آواز سن کر فرمایا۔ کتنی خوبصورت اور پیاری آواز ہے کاش

یہ تلاوت قرآن مجید میں صرف ہوتی اور یہ فرماتے ہوئے سرڈھانک کر وہاں سے گزر گئے۔ ذاذان کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو پوچھا کہ یہ کون بزرگ تھے جن کی آواز آرہی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ صحابی جلیل تھے جو آپ کی آواز سن کر یہ جملہ فرما گئے۔ یہ سنتے ہی اس گویا پر ایک عجیب رقت آمیز کیفیت طاری ہوئی اور سارے باجے گانے کا سامان توڑ کر حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زاروقطار رو کر دعائے مغفرت کا طالب ہوا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اسے گلے لگایا اور خود بھی رونے لگے اور فرمایا اس شخص سے میں محبت کیوں نہ کروں جس کو اللہ کریم نے پسند کر لیا اور اس کو عود بجانے سے توبہ کی توفیق نصیب فرمائی۔ اس کے بعد اذان نے حضرت ابن مسعودؓ کی صحبت اختیار کر لی اور آپ ہی سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی اور علم دین کو پڑھا یہاں تک کہ وہ اس میں مہارت حاصل کر کے امام وقت ہوئے۔ فرحمہ اللہ۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص:۹ ج:۵)

موسیقی اور عذابِ خداوندی

راگ گانے اور سننے والے دونوں معلون ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''جو آدمی گانا بجانے کا کام کرے اور دوسرا وہ جو اپنے گھر میں گانے بجانے کا اہتمام کرے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو'' (بیہقی)

کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص کسی گانے والی باندی کے پاس اسلئے بیٹھے تا کہ اس کا گانا سنے تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا'' (ابن عساکر)

فائدہ:

فلمیں خواہ سنیما ہال میں دیکھیں یا ٹی وی پر ان میں جہاں یہ اہم مقصد ہوتا ہے کہ گانے اور ناچنے والی عورت کو دیکھیں اور اس کے حسن و جمال سے جنسی لطف اٹھائیں وہاں یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ اس کا گانا سنیں بلکہ گانا سننے کے ذرائع بنسبت دیکھنے کے زیادہ وسیع ہیں گانے ریڈیو اور کیسٹ کے ذریعہ ٹیپ ریکارڈ پر بھی عام سنے اور سنائے جاتے ہیں لیکن ہر حال میں گانا سننا اور سنانا گناہ ہے دنیا کی چند روزہ زندگی میں شاید کچھ پتہ نہ چلے لیکن اس کا انجام قیامت کے دن یہ ہوگا کہ جہنم کی آگ میں پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈالا جائے گا اور قیامت کے دن حساب وکتاب اور عذاب وثواب سب بالکل برحق ہیں اب آپ سوچ لیں!!

گانے سے لطف اندوزی کفر ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’گانا بجانا سننا گناہ اور (گانا سننے) کے لئے بیٹھنا نافرمانی ہے اور اس سے لطف لینا کفر ہے۔‘‘ (نیل الاوطار)

گانا سننے والوں کے لئے حضور ﷺ کی بددعا:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے کہ آپ نے دو آدمیوں کے گانے کی آواز سنی، ان میں سے ایک شعر پڑھتا تھا اور دوسرا اس کا جواب دیتا تھا آپ نے فرمایا ذرا دیکھو! یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا فلاں فلاں ہیں آپ نے ان کے لئے بددعا فرمائی اور کہا اے اللہ! انہیں جہنم میں الٹ دے اور آگ میں دھکیل دے۔ (مجمع الزوائد)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے واضح ہوگیا کہ گانا سننا اور سنانا حرام ہے اور اسکے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ہر مسلمان مرد وعورت کو اس گناہ سے بچنا چاہئے۔

صورتیں مسخ ہونا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’قیامت کے قریب میری امت کے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کرکے انہیں بندروں اور خنزیروں کی صورتوں میں بدل دیا جائے گا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ لوگ مسلمان ہوں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں وہ لوگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور وہ روزے بھی رکھیں گے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ باجوں اور گانے والی عورتوں کے عادی ہوجائیں گے شرابیں پیا کریں گے، ایک شب جب وہ شراب نوشی اور لہو ولعب میں مشغول ہوں گے تو صبح تک ان کی صورتیں مسخ ہوچکی ہوں گی۔‘‘ (ابن حبان)

کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟

موسیقی کی شرعی حیثیت قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

والذین لایشھدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما.

’’اور وہ لوگ (جو مسلمان ہیں) گانے بجانے کی مجالس میں شامل نہیں ہوتے اور جب کھیل تماشہ کے مقام سے گزرتے ہیں تو پورے وقار سے (علیحدہ ہوکر) گزر جاتے ہیں۔‘‘

اس آیت کی روشنی میں آج ہم رقص وسرور کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس کے نتائج واثرات امت مسلمہ پر کیا مرتب

ہوئے ہیں۔ کیا مغرب میڈیا کے ذریعے اس کو فروغ دے کر مسلمانوں کے ایمان واسلام کو خراب اوران کے جذبہ حریت کو ختم کردینا چاہتا ہے۔ اب دنیا میں جنگ آلات کے بجائے فکر وتصور سے لڑی جارہی ہے۔ اسلئے اس کا تدارک بہت ضروری ہے۔ موسیقی کیا ہے؟ موسیقی جب کسی راگ کو مخصوص قواعد کے تحت گایا جاتا ہے۔ تو اسے اہل فن موسیقی کہتے ہیں۔ یہ فن ابتداء میں ایک انتشار کی صورت تھا اور سب سے پہلے جس نے اسے جمع کرکے ترتیب دیا وہ حکیم فیثاغورس تھا۔

رقص وسرود کے اثرات:

محدث ابن جوزی لکھتے ہیں کہ:

۱۔ راگ سننے والے کا دل عظمت خداوندی میں تدبر کرنے سے بالکل غافل ہوجاتا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ وہ لذت شہوانیہ کو ابھارتا ہے جس سے زنا کا دروازہ کھلتا ہے اور وہ شخص لذت شہوانیہ کے تحت اپنی دنیا اور عاقبت برباد کرلیتا ہے۔

۳۔ یہ راگ عقل پر حملہ کرتا ہے۔ جب کوئی راگ سنتا ہے اس کی طبیعت میں طرب ونشاط پیدا ہوتا ہے باوجود عقل وہوش کے اس سے ایسی حرکتیں صادر ہونے لگتی ہیں جو دیوانوں سے مشابہت رکھتی ہیں مثلاً سر ہلانا، ہاتھ سے تالی بجانا، پاؤں کو حرکت دینا، سامنے پڑی ہوئی چیز پر دھن سے ہاتھ مارنا، سسکتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ رکھنا، اہم یادداشت کا بھول جانا؛ ان عجیب حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل میں کچھ تغیر آچکا ہے۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''عورت اور مرد کے جنسی جذبات پر راگ ایسا اثر کرتا ہے جیسے آگ پر تیل ڈال دیا جائے۔''

ابن ولید نے اپنی قوم کو وصیت کی تھی کہ:

''اے میری قوم راگ سے بچتے رہنا کیوں کہ یہ حیا کم کرتا ہے۔ یعنی بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ خواہشات نفسانیہ کو بڑھاتا ہے عزت ووقار کو مٹاتا ہے۔ جس طرح شراب اثر کرتی ہے۔ یہ راگ بھی انسان پر ویسے ہی اثر دکھاتا ہے۔''

بعض ناقص العقل کہتے ہیں کہ:

''راگ سے الجھی ہوئی طبیعت کو سکون میسر آتا ہے اور دل کے غموں کا مداوا ہوجاتا ہے۔''

جب کہ نفسیات کے ماہر اس کا انکار کرتے ہیں مشہور فلاسفر گوس لکھتا ہے:

''فن شاعری اور موسیقی کو روحانیت سے منسوب نہیں کیا جاسکتا یعنی ان فنون سے قلبی طمانیت کا بالکل علاج نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ان کا تعلق روحانیت اور طمانیت سے اسی قدر ہے جس قدر کہ فلسفہ اور سائنس کا۔'' (فنون اور روحانیت ص ۶۱)

آلات موسیقی حرام ہیں:

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، طبل، اور طنبور کو حرام کیا ہے نیز ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' (ابوداؤد)

صحابہ کرام اور تابعینؒ اور ائمہ ہدیٰؒ کے نزدیک ناچ گانا حرام ہے:

۱۔ تمام صحابہ کرامؓ، تابعین اور امام مالکؒ، امام احمد بن حنبل، امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ اور دیگر محدثین اور فقہاء کے نزدیک رقص کرنا ناچنا گانا حرام ہے اور اس بات پر سب کا اجماع ہے۔ (عوارف المعارف، تفسیر ضیاء القرآن)

۲۔ امام مالکؒ سے ناچ گانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ کام تو ہمارے دور کے فاجر اور فاسق لوگوں کا کام ہے۔ (اشرف الحواشی)

۳۔ اس گندے فعل کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (روح المعانی)

۴۔ یہ گانا بجانا حرام ہے۔

۵۔ سب سے پہلے جس نے گانا شروع کیا وہ شیطان ہے اور سب سے پہلے جنہوں نے رقص شروع کیا وہ سامری جادوگر (جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت کا فر اور جادوگر تھا) کے پیروکار تھے اور بنسری بجانے کا طریقہ کفار مکہ یعنی قریشی کافروں کی ایجاد ہے کیوں کہ جب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تو وہ بنسری بجاتے تھے۔ (تفسیر قرطبی)

۶۔ تفسیر احمدی کے مصنف نے ناچنے اور گانے کی حرمت میں مستقل ایک رسالہ لکھا ہے جس میں پچھتر بڑے مجتہدوں کے اقوال نقل کئے ہیں۔ کہ یہ گندہ فعل ہے اور اسلام میں بالکل حرام ہے۔

۷۔ تمام مذہب میں گانا بجانا حرام ہے۔ (تاتارخانیہ)

فقہ وفتاوی

ادارہ

کریڈٹ کارڈ کا استعمال برائے خریداری

سوال: اکثر بینک کریڈٹ کارڈ ہولڈرز کو کچھ کمپنیوں کے پراڈکٹ مثلاً: موٹر سائکل، اے سی وغیرہ 12 مہینوں تک 0٪ مارک اپ پر دیتے ہیں۔ ان کی قیمت مارکیٹ سے تھوڑی سی زیادہ ھوتی ہے۔ 12 مہینوں سے زیادہ ٹائم پر وہ 3 سے 5٪ زیادہ لیتے ہیں اور وہ پروسیسنگ فیس بھی لیتے ہیں۔ کچھ علماء کا خیال ہے کہ اگر میں 12 ماہ تک بغیر انٹرسٹ (سود) کے بھی لوں۔ اور قسطیں بھی وقت پر ادا کرتا رہوں۔ تو بھی ٹھیک نہیں کیونکہ تم نے وہ پیپر سائن کیا جس میں 12 ماہ سے زیادہ پر سود کا شرط ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ سودی بینک ہے۔ جن سے معاملہ کرنا ٹھیک نہیں۔ حالانکہ ہمارے باقی لین دین بھی انہی بینکوں سے ہے۔ مہربانی کرکے وضاحت فرماویں۔

جواب: ”چند اہم عصری مسائل“ (کتاب) ج ۲ ص ۲۸۷ میں ہے ”کاروباری ضرورت یا مالی تحفظ کی غرض سے کریڈٹ کارڈ لینے اور اس کے استعمال کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ پہلے اکاؤنٹ کھلوالیا جائے، تاکہ کارڈ جاری کرنے والا ادارہ اپنا قرض وہاں سے وصول کرلے اور اگر اکاؤنٹ سے فی الحال قرضہ منہا کرنے کا انتظام نہ ہو تو اس کی انتہائی احتیاط برتی جائے کہ جاری کردہ بلوں کی قیمت مقررہ مدت کے اندر اداء کردی جائے، تاکہ ان پر سود لاگو نہ ہوسکے، کیونکہ سود کا اداء کرنا حرام ہے، یہ کارڈ غیر اسلامی بینک سے بھی لے سکتے ہیں“۔ اور کچھ علماء کا یہ خیال کہ سود اداء نہ کرنے کی مدت میں اداء کردینے کے باوجود یہ معاملہ ٹھیک نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر شرعی معاہدہ اور شرط جو لگائی جاتی ہے، وہ شرعاً باطل اور لغو ہے اس کی وجہ سے سود لاگو ہونے سے پہلے تک کا معاملہ باطل نہ ہوگا بلکہ وہ درست رہے گا۔

بینک کے کارڈ پر حاصل ہونے والے ڈسکاؤنٹ کا حکم

سوال: اگر ہم بینک کا کارڈ استعمال کریں اور اس پر ڈسکاؤنٹ چل رہا ہو تو وہ استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب: واضح رہے کہ ضرورت کی بنا پر بینک کا ڈیبٹ کارڈ بنوانا اور اس کے ذریعہ ادائیگی کرنا جائز ہے، لیکن کریڈٹ کارڈ بنوانا سودی معاہدہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز ہی نہیں ہے۔ پھر ڈیبٹ کارڈ کے استعمال پر ملنے والے ڈسکاؤنٹ کے جائز اور ناجائز ہونے میں درج ذیل تفصیل ہے:

(ا) کارڈ کے ذریعہ ادائیگی کی صورت میں کچھ پیسوں کی رعایت (Discount) اگر بینک کی طرف سے ملتی ہو تو اس صورت میں اس رعایت کا حاصل کرنا شرعاً ناجائز ہوگا، کیوں کہ یہ رعایت بینک کی طرف سے کارڈ ہولڈر کو اپنے

بینک اکاؤنٹ کی وجہ سے مل رہی ہے، جو شرعاً قرض کے حکم میں ہے اور جو فائدہ قرض کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے وہ سود کے زمرے میں آتا ہے۔(۲) اگر یہ رعایت اس ادارے کی جانب سے ہو جہاں سے کچھ خریدا گیا ہے یا وہاں کھانا کھایا گیا ہے تو یہ ان کی طرف سے تبرع واحسان ہونے کی وجہ سے جائز ہوگا۔(۳) رعایت نہ تو بینک کی طرف سے ہو اور نہ ہی جس ادارے سے خریداری ہوئی ہے اس کی طرف سے ہو، بلکہ کارڈ بنانے والے ادارے کی طرف سے رعایت ہو، تو اگر اس ادارے کے تمام یا اکثر معاملات جائز ہوں اور ان کی آمدن کل یا کم از کم اکثر حلال ہو تو اس صورت میں ڈسکاؤنٹ سے مستفید ہونے کی اجازت ہوگی۔(۴) اگر معلوم نہ ہو کہ یہ رعایت کس کی طرف سے ہے تو پھر اجتناب کرنا چاہیے۔

فتاوی شامی میں ہے: وفي الأشباه: كل قرض جرّ نفعًا حرام، فكره للمرتهن سكنى المرهونة بإذن الراهن. (قوله: كل قرض جرّ نفعًا حرام) أي :إذا كان مشروطًا كما علم مما نقله عن البحر، وعن الخلاصة وفي الذخيرة وإن لم يكن النفع مشروطًا في القرض. (كتاب البیوع، باب المرابحة، فصل في القرض:۵/ ۱۶۱)

مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح میں ہے: وعن النعمان بن بشير - رضي الله عنهما - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الحلال بين والحرام بين، وبينهما مشتبهات لايعلمهن كثير من الناس، فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الحرام كالراعي يرعى حول الحمى يوشك أن يرتع فيه، ألا وإن لكل ملك حمى، ألا وإن حمى الله محارمه، ألا وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله، وإذا فسدت فسد الجسد كله، ألا وهي القلب۔ (متفق عليه) قوله: "وبينهما مشتبهات" : بكسر الموحدة ،أي: أمور ملتبسة غير مبينة لكونها ذات جهة إلى كل من الحلال والحرام. (كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، ج:۵، ص: ۱۸۹۱، دار الفكر)

سود وانشورنس

سوال: بعض حضرات کے فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کریڈٹ کارڈ ایسے ہیں کہ جن کا استعمال جائز ہے، اس کی تفصیل کیا ہے، براہ کرم مطلع فرمائیں۔ واضح رہے کہ کریڈٹ کارڈ بینک/ ادارہ اور گاہک کے مابین اس معاہدہ پر جاری کیا جاتا ہے کہ کارڈ لینے والے خریدنے پر یا ادائیگی میں کسی کوتاہی پر سود دیں گے۔

جواب: ہر ایسا کارڈ جس کے پیچھے حامل کارڈ کی رقم بینک میں موجود ہے اور حامل کارڈ جو بھی رقم نکالے یا خرچ کرے وہ اسی رقم میں سے ہو۔ اس کے علاوہ میں سے نہ ہو تو بالکل جائز ہے۔ یہ شریعت کے اصول کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ وہ کارڈ جو کہ عالمی طور پر کریڈٹ کے نام سے مشہور ہے، جو قطعی طور پر حرام شرطوں اور صفتوں کا حامل ہوتا ہے مثلاً تاخیر سے ادائیگی کا جرمانہ اور وہ کٹوتی جو بینک تاجر کے بل سے کاٹتا ہے، جس پر حامل کے دستخط ہوتے ہیں اور یہ کہ حامل کو ڈسکاؤنٹ ملتا ہے اس کے علاوہ دوسرے فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں تو یہ بالکل حرام وناجائز ہے۔ یہ اصولی بات ہے اس کو ذہن میں رکھیں۔

واقعات وحکایات

ابوصفی قاسمی

اسی کا کام ہے وہی چلاتا ہے: حضرت گنگوہیؒ کے یہاں ایک شخص کئی روز مہمان رہا، واپسی کے وقت کہنے لگا کہ صاف بات یہ ہے کہ میں حکومت کا سی آئی ڈی ہوں، یہ تحقیق کرنے آیا تھا کہ آپ کی آمدنی کا ذریعہ کیا ہے۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ حکومت کو اسکی کیا غرض؟ کہنے لگا کہ حکومت کو یہ علم ہوا ہے کہ آپ کا تعلق چور اور ڈاکوؤں سے ہے اور انہیں سے آپ کی آمدنی ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ تمہیں کیا تحقیق ہوئی؟ اس نے کہا کہ چور اور ڈاکوؤں سے تو آپکا تعلق بالکل نہیں ہے، بلکہ جو چور اور ڈاکو آپ سے متعلق ہوتا ہے وہ چوری اور ڈکیتی چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا پھر ذریعہ آمدنی کیا معلوم ہوا، وہ کہنے لگا جو لوگ آپ کے پاس آتے ہیں، وہی آپ کو دے جاتے ہیں اور آپ تو اولاً ہر شخص سے قبول نہیں کرتے اور جس کا قبول کرتے ہیں تو بہت کم، کثیر مقدار قبول نہیں کرتے۔ پھر دریافت کیا کہ یہ لوگ آپ کو کیوں دے جاتے ہیں؟ حضرت خاموش رہے، تھوڑی دیر بعد اس نے جیب سے نکال کر حضرت کو دو روپے دئے، حضرت نے مسکرا کر فرمایا تم کیوں دے رہے ہو؟ کہنے لگا میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو دوں، حضرت نے فرمایا کہ مجھے بھی معلوم نہیں کہ لوگ کیوں دیتے ہیں، بس اسی کا کام ہے وہی چلاتا ہے۔ (ملفوظات فقیہ الامت)

آخر کو ہے تو داڑھی اگر چہ چھوٹی ہے: افریقہ میں ایک صاحب مسائل خوب پوچھتے تھے۔ ایک روز کہنے لگے کہ بابا مفتی صاحب (حضرت اقدس مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ) یہ میرے ساتھی میری ڈاڑھی پر اعتراض کرتے ہیں اور مجھے پریشان کرتے ہیں، آخر کو ہے تو ڈاڑھی ہی اگر چہ چھوٹی ہے، انہیں سمجھا دو۔ اتفاق سے اسی مجلس میں چودہ لاکھ کا ذکر آیا، میں نے ان سے پوچھا کہ بتلائیے جس کے پاس چودہ لاکھ روپئے ہوں وہ مالدار ہے؟ کہنے لگے کہ جی ہاں وہ مالدار ہے، میں نے کہا کہ اگر کسی کے پاس صرف چودہ ہزار روپئے ہوں تو؟ کہنے لگے کہ وہ بھی ایک مالدار ہے۔ میں نے کہا کہ اگر کسی کے پاس چودہ سو یا صرف چودہ روپئے ہوں تو؟ کہنے لگے وہ کاہے کا مالدار۔ میں نے کہا کیا بات اس کو مالدار کیوں نہیں کہتے، کیا چودہ سو یا صرف چودہ روپئے مال نہیں۔ اس کے بعد کہا کہ اچھا یہ آپ کی خوبصورت ٹوپی ہے، بتلائیے اگر یہ اتنی سی جل جائے تو کیا آپ اس کو اوڑھیں گے، آخر کو ہے تو ٹوپی ہی۔ یا یہ شیروانی چمکدار ہے اگر یہ کہیں سے اتنی جل جائے تو کیا آپ اس کو پہنیں گے، آخر کو ہے تو شیروانی ہی۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ بس بابا سمجھ میں آ گیا۔ (ایضاً)

افسانہ

قصہ چہار درویش

قسط: ۵ از: میر امن دہلوی

سیر پہلے درویش کی

(گذشتہ سے پیوستہ)

غرض جب شہر کے دروازے پر گیا، بہت رات جا چکی تھی۔ دربان اور نگاہ بانوں نے دروازہ بند کیا تھا۔ میں نے بہت منت کی کہ مسافر ہوں، دور سے دھاوا مارے آتا ہوں، اگر کواڑ کھول دو شہر میں جا کر دانے گھاس کا آرام پاؤں۔ اندر سے گھرک کر بولے، اس وقت دروازہ کھولنے کا حکم نہیں، کیوں اتنی رات گئے تم آئے؟ جب میں نے جواب صاف اُن سے سنا، شہر پناہ کی دیوار کے تلے گھوڑے پر سے اُتر زین پوش بچھا کر بیٹھا۔ جاگنے کی خاطر ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ جس وقت آدھی رات اِدھر اور آدھی رات اُدھر ہوئی، سنسان ہو گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار پر سے نیچے چلا آتا ہے۔ یہ دیکھ کر میں اچنبھے میں ہوا کہ یہ کیا طلسم ہے؟ شاید خدا نے میری حیرانی و پریشانی پر رحم کھا کر خزانہ غیب سے عنایت کیا۔

جب وہ صندوق زمین پر ٹھہرا، ڈرتے ڈرتے میں پاس گیا، دیکھا تو کاٹھ کا صندوق ہے۔ لالچ سے اُسے کھولا۔ ایک معشوق، خوب صورت، کامنی سی عورت (جس کے دیکھنے سے ہوش جاتا رہے) گھایل، لہو میں تر بتر، آنکھیں بند کئے پڑی کُلبلاتی ہے، آہستہ آہستہ ہونٹھ ہلتے ہیں، اور یہ آواز منہ سے نکلتی ہے۔ ای کم بخت بے وفا! اے ظالمِ پُر جفا! بدلا اس بھلائی اور محبت کا یہی تھا جو تُو نے کیا؟ بھلا ایک زخم اور بھی لگا، میں نے اپنا تیرا انصاف خدا کو سونپا۔ یہ کہہ کر اُسی بے ہوشی کے عالم میں دوپٹے کا آنچل منہ پر لے لیا۔ میری طرف دھیان نہ کیا۔

فقیر اُس کو دیکھ کر اور یہ بات سُن کر سُن ہوا، جی میں آیا، کسی بے حیا ظالم نے کیوں ایسے نازنین صنم کو زخمی کیا، کیا اُس کے دل میں آیا؟ اور ہاتھ اُس پر کیوں کر چلایا؟ اُس کے دل میں تو محبت اب تلک باقی ہے جو اس جان کنی کی حالت میں اُس کو یاد کرتی ہے، میں آپ ہی آپ یہ کہہ رہا تھا، آواز اس کے کان میں گئی، ایک مرتبہ منہ سر کا کر مجھ کو دیکھا۔ جس وقت اس کی نگاہیں میری نظروں سے لڑیں، مجھے غش آنے اور جی سنسنانے لگا۔ بہ زور اپنے تئیں تھانبا۔ جرأت کر کے پُوچھا، سچ کہو تم کون ہو اور یہ کیا ماجرا ہے۔ اگر بیان کرو تو میرے دل کو تسلی ہو۔

یہ سُن کر اگرچہ طاقت بولنے کی نہ تھی آہستے سے کہا، شکر ہے۔ میری حالت زخموں کے مارے یہ کچھ ہو رہی ہے۔ کیا خاک بولوں؟ کوئی دم کی مہمان ہوں، جب میری جان نکل جاوے تو خدا کے واسطے جواں مردی کر کے مجھ

بد بخت کو اسی صندوق میں کسی جگہ گاڑ دیجو۔ تو میں بھلے بُرے کی زبان سے نجات پاؤں، اور تُو داخل ثواب کے ہو۔ اتنا بول کر چُپ ہوئی۔

رات کو مجھ سے کچھ تدبیر نہ ہوسکی، وہ صندوق اپنے پاس اُٹھا لایا اور گھڑیاں گننے لگا کہ کب اتنی رات تمام ہو تو فجر کو شہر میں جا کر جو کچھ علاج اس کا ہو سکے بہ مقدور اپنی کروں۔ وہ تھوڑی سی رات ایسی پہاڑ ہو گئی کہ دل گھبرا گیا۔ بارے خُدا خُدا کر کے صبح جب نزدیک ہوئی، مُرغ بولا، آدمیوں کی آواز آنے لگی۔ میں نے فجر کی نماز پڑھ کر صندوق کو خورجی میں کسا۔ جونہیں دروازہ شہر کا کھُلا، میں شہر میں داخل ہوا ہر ایک آدمی اور دکان دار سے حویلی کرائے کی تلاش کرنے لگا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک مکانِ خوش قطع نیا فراغت کا بھاڑے لے کر جا اُترا۔

پہلے اس معشوق کو صندوق سے نکال کر روئی کے پہلوں پر ملائم بچھونا کر کے ایک گوشے میں لٹایا، اور آدمی اعتباری وہاں چھوڑ کر فقیر جراح کی تلاش میں نکلا۔ ہر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اس شہر میں جراح کاری گر کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ ایک شخص نے کہا، ایک حجام جراحی کے کسب اور حکیمی کے فن میں پکا ہے، اور اس کام میں نپٹ پکا ہے، اگر مُردے کو اُس پاس لے جاؤ، خُدا کے حکم سے ایسی تدبیر کرے کہ ایک بار وہ بھی جی اُٹھے۔ وہ اس محلے میں رہتا ہے اور عیسیٰ نام ہے۔

میں یہ مُژدہ سُن کر بے اختیار چلا۔ تلاش کرتے کرتے پتے سے اُس کے دروازے پر پہنچا۔ ایک مردِ سفید ریش کو دہلیز پر بیٹھا دیکھا اور کئی آدمی مرہم کی تیاری کے لئے کچھ پیس پاس رہے تھے۔ فقیر نے مارے خوشامد کے ادب سے سلام کیا اور کہا، میں تمھارا نام اور خُوبیاں سُن کر آیا ہوں۔ ماجرا یہ ہے کہ میں اپنے مُلک سے تجارت کے لئے چلا، قبیلے کو بہ سبب محبت ساتھ لیا۔ جب نزدیک اس شہر کے آیا، تھوڑی سی دُور رہا تھا کہ شام پڑ گئی۔ اَن دیکھے مُلک میں رات کو چلنا مناسب نہ جانا۔ میدان میں ایک درخت کے تلے اُتر پڑا۔ پچھلے پہر ڈاکا آیا، جو کچھ مال و اسباب پایا لُوٹ لیا، گہنے کے لالچ سے اس بی بی کو بھی گھایل کیا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا، رات جو باقی تھی جُوں تُوں کر کے کاٹی، فجر ہی شہر میں آن کر ایک مکان کرائے لیا، اُن کو وہاں رکھ کر میں تمھارے پاس دوڑا آیا ہوں۔

خُدا نے تمھیں یہ کمال دیا ہے، اس مسافر پر مہربانی کرو، غریب خانے تشریف لے چلو، اُس کو دیکھو اگر اس کی زندگی ہوئی تو تمھیں بڑا جس ہو گا اور میں ساری عمر غلامی کروں گا۔ عیسیٰ جراح بہت رحم دل اور خُدا پرست تھا۔ میری غریبی کی باتوں پر ترس کھا کر میرے ساتھ اُس حویلی تک آیا۔ زخموں کو دیکھتے ہی میری تسلی کی، بولا کہ خُدا کے کرم سے اِس بی بی کے زخم چالیس دن بھر آویں گے، غسل شفا کا کروا دوں گا۔

غرض اُس مردِ خُدا نے سب زخموں کو نیم کے پانی سے دھو دھا کر صاف کیا۔ جو لائق ٹانکوں کے پائے انھیں سیا، باقی گھاؤں پر اپنی کھیسے سے ایک ڈبیا نکال کر کتنوں میں پٹی رکھی، اور کتنوں پر پھائے چڑھا کر پٹی سے باندھ دیا اور نہایت شفقت سے کہا، میں دونوں وقت آیا کروں گا، تو خبردار رہیو ایسی حرکت نہ کرے جو ٹانکے ٹوٹ جائیں۔ مرغ

کا شوربا بجائے غذا اس کے حلق میں چوائیو اور اکثر عرق بید مشک گلاب کے ساتھ دیا کیجیو جو قوت رہے- یہ کہہ کر رخصت چاہی۔

میں نے بہت منت کی اور ہاتھ جوڑ کر کہا، تمھاری تشفی دینے سے میری بھی زندگی ہوئی، نہیں تو سوائے مرنے کے کچھ سوجھتا نہ تھا، خدا تمھیں سلامت رکھے۔ عطر پان دے کر رخصت کیا، میں رات دن خدمت میں اس پری کے حاضر رہتا، آرام اپنے اوپر حرام کیا۔ خدا کی درگاہ سے روز روز اس کے چنگے ہونے کی دعا مانگتا۔ اتفاقاً وہ سوداگر بھی آ پہنچا، اور میرا مال امانت میرے حوالے کیا۔ میں نے اسے اونے پونے بیچ ڈالا، اور دارو درمن میں خرچ کرنے لگا۔

وہ مرد جراح ہمیشہ آتا جاتا، تھوڑے عرصے میں سب زخم بھر کر انگور کر لائے۔ بعد کئی دن کے سل شفا کیا، عجب طرح کی خوشی حاصل ہوئی۔ خلعت اور اشرفیاں عیسیٰ حجام کے آگے دھریں، اور اس پری کو مکلف فرش بچھا کر مسند پر بٹھایا۔ فقیر غریبوں کو بہت سی خیرات کی۔ اس دن گویا بادشاہت ہفت اقلیم کی اس فقیر کے ہاتھ لگی، اور اس پری کا شفا پانے سے ایسا رنگ نکھرا کہ مکھڑا سورج کے مانند چمکنے اور کندن کی طرح دمکنے لگا۔ نظر کی مجال نہ تھی جو اس کے جمال پر ٹھہرے۔

فقیر بہ سروچشم اس کے حکم میں حاضر رہتا، جو فرماتی سو بجا لاتا۔ وہ اپنے حسن کے غرور اور سرداری کے دماغ میں جو میری طرف کبھو دیکھتی تو فرماتی، خبردار، اگر تجھے ہماری خاطر منظور ہے تو ہرگز ہماری بات میں دم نہ ماریو، جو ہم کہیں سو بلا عذر کیے جائیو، اپنا کسی بات میں دخل نہ کریو، نہیں تو پچتاوے گا۔ اس کی وضع سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حق میری خدمت گزاری اور فرماں برداری کا اسے البتہ منظور ہے۔ فقیر بھی اس کی بے مرضی ایک کام نہ کرتا، اس کا فرمانا بہ سروچشم بجا لاتا۔

ایک مدت اسی راز و نیاز میں کٹی، جو اس نے فرمائش کی، وونھیں میں نے لا کر حاضر کی۔ اس فقیر پاس جو کچھ جنس اور نقد اصل و نفع کا تھا، سب صرف ہوا۔ اس بیانے ملک میں کون اعتبار کرے جو قرض دام سے کام چلے؟ آخر تکلیف روزمرے کے خرچ کی ہونے لگی، اس سے دل بہت گھبرایا، فکر سے دبلا ہوتا چلا، چہرے کا رنگ کلجھوااں ہو گیا، لیکن کس سے کہوں؟ جو کچھ دل پر گزری سو گزری، قہر درویش بر جانِ درویش۔

ایک دن اس پری نے اپنے شعور سے دریافت کر کے کہا۔ ''اے فلانے! تیری خدمتوں کا حق ہمارے جی میں نقش کالحجر ہے۔ پر اس کا عوض بالفعل ہم سے نہیں ہوسکتا۔ اگر واسطے خرچ ضروری کے کچھ درکار ہو تو اپنے دل میں اندیشہ نہ کر، ایک ٹکڑا کاغذ اور دوات قلم حاضر کر۔ میں نے تب معلوم کیا کسی ملک کی پادشاہ زادی ہے جو اس دل و دماغ سے گفتگو کرتی ہے۔ فی الفور قلم دان آگے رکھ دیا۔ اس نازنین نے ایک شقہ دستخط خاص سے لکھ کر میرے حوالے کیا اور کہا قلعے کے پاس ترپولیا ہے۔ وہاں اس کوچے میں ایک حویلی بڑی سی ہے۔ اس مکان کے مالک کا نام سیدی بہار ہے۔ تو جا کر اس رقعے کو اس تلک پہنچا دے۔ (جاری)

طب وصحت

گاجر: دل اورڈپریشن کافوری علاج

ریحان احمد

جگراور دوسرے اعضاء کیلئے گاجر کھانے سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں لیکن تجربات اور مشاہدات میں یہ بات بنتی ہے کہ گاجر دل کی دھڑکن کی اصلاح کرتی ہے۔ اطباء نے گاجر کا مزاج سرد تر لکھا ہے جبکہ ویدا سے معتدل قرار دیتے ہیں۔ خزائن الادویہ میں حکیم نجم الغنی رقمطراز ہیں کہ گاجر لطافت پیدا کرتی ہے، جگر کا سدہ کھولتی ہے، معدے کو قوت دیتی ہے، اس سے پاخانہ کھل کر ہوتا ہے، بلغم کو نکالتی ہے، کھانسی اور سینے کے درد کو فائدہ دیتی ہے، اس سے پیشاب کھل کر ہوتا ہے، گردے اور مثانے کی پتھری ٹوٹ کر بہہ جاتی ہے۔ استسقاء کو نافع ہے۔ معدے اور جگر کو فائدہ بخشتی ہے۔ بدن کو فربہی دیتی ہے۔ بدن کو تیار کرتی ہے۔ اس کے ستو گرمی کے موسم میں پینے سے خشکی نہیں رہتی۔ پیاس بھی دبی رہتی ہے۔ اس کا پانی گرم خفقان میں بہت مفید ہے۔ گاجر کے حلوے کو بھی بدن کو فربہ کرنیوالا اور وزن بڑھانے والا لکھا ہے۔ گاجر سے چہرے پر چمک اور سرخی آتی ہے۔ گاجر میں وٹامن (ج) بھی کافی مقدار میں ہوتا ہے جس کی جسم کو بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ مقوی قلب ہونے کی وجہ سے اس کے استعمال سے اداسی و مایوسی چھٹتی ہے۔ طبیعت میں جولانی اور تفریح پیدا کرتی ہے۔ گاجر کا استعمال پیشاب کی جلن کو نافع ہے۔ گرمی کے دنوں میں پیشاب میں جلن اکثر ہو جاتی ہے۔ ایسے میں گاجر کا عرق مفید ہیں۔ چونکہ گاجر خون میں موجود چربی کو کم کرتی ہے، جسم کی حدت کو مٹاتی، جگر کے فعل کو اعتدال پر لاتی ہے، پیشاب آور ہے، جسم سے صفراء کو خارج کرتی ہے اس لیے یہ ہائی بلڈ پریشر میں مفید سمجھی جاتی ہے۔ گاجر گردوں کو فربہ کرتی ہے، اسی لیے گاجر کا بیج گردوں کی دواؤں کے نسخوں میں موجود ہوتا ہے۔ گاجر کے بیج میں دوائیت کے غذائیت بھی ہے۔ چنانچہ اسے ثعلب مصری کے ساتھ ملا کر دودھ سے کھلاتے ہیں جس سے دبلا پن جاتا رہتا ہے۔ جسم فربہ ہوتا ہے۔

گرمی کی وجہ سے دل کی دھڑکن زیادہ ہوتی ہو یا دل کمزور محسوس ہوتا ہو تو اس کیلئے گاجر کو حسب ذیل ترکیب سے کھانا بہت نافع ہے: گاجر کو بھوبھل یعنی گرم راکھ میں بھون لیں۔ جب وہ نرم ہو جائے تو اوپر کا چھلکا اور اندر کی سفید رنگ کی سخت سی چیز جسے گاجر کی گٹھلی بھی لکھا ہے، دور کر دیں۔ باقی گاجر کو رات کو کھلے آسمان کے نیچے رکھ دیں۔ صبح کو نہار منہ تھوڑا سا عرق گلاب اور ذرا سی چینی ملا کر اسے کھالیں۔ اس سے گرمی کی وجہ سے ہونے والے خفقان یعنی دل کی دھڑکن کو فائدہ ہو جاتا ہے۔ اطباء گاجر کو گرم مزاج کے لوگوں کیلئے مضر بتاتے ہیں اور سرد مزاج والوں کیلئے مفید بتاتے ہیں۔ گرم مزاج والوں کو گاجر بغیر اصلاح کیے نہیں کھانی چاہیے۔ سرد مزاج والے کے پیٹ میں اگر رطوبت ہو تو گاجر کو گرم مصالحہ کے ساتھ کھانے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اس طرح معدے میں موجود زائد رطوبت زائل ہو جاتی ہے اور معدہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ معدہ قوی ہو جاتا ہے۔ گاجر کو بکری کے گوشت میں پکا کر کھانے سے عمدہ خون بنتا ہے اور گاجر کو بکری کے گوشت میں پکا کر کھانے سے جو خلط بنتی ہے، وہ عمدہ ہوتی ہے اور بوڑھوں کیلئے مفید ہے۔

جامعۃ السعادۃ کیرانہ کی مطبوعات

(۱) تفسیر پارہ عم

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۲) التوحید (دلائل توحید اور رد کفر وشرک پر مدلل ومفصل کتاب)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۳) مختصر لغات القرآن

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۴) طلاق کا اختیار عورت کو کیوں نہیں

تحریر: حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب۔ ترتیب وتخریج: مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی

(۵) اسلام کا نظام طلاق (نقل وعقل کی روشنی میں)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۶) موڈرن عورت اور اسلام

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۷) اسلام کا پیغام انسانیت کے نام

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۸) اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ اول)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۹) اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ دوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۰) اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ سوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۱) اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ چہارم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

جامعۃ السعادۃ واسعاد البنات کیرانہ

شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

’’جامعۃ السعادۃ‘‘ مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ’’کیرانہ، شاملی‘‘ کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔ جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جوملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لوکو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ’’تحقیقات اسلامی‘‘ کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کرپاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴؍شعبے قائم ہیں۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد دارالاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ: جامعۃ السعادۃ پبلک اسکول کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ’’جامعہ اسعاد البنات‘‘ قائم ہے۔ اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ ،خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔ بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔ جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

محمد عرفان ثاقب قاسمی

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔ یوپی 247774

رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

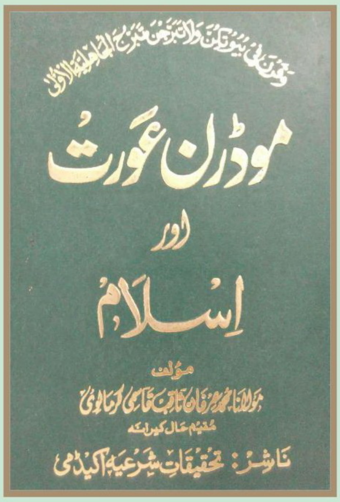

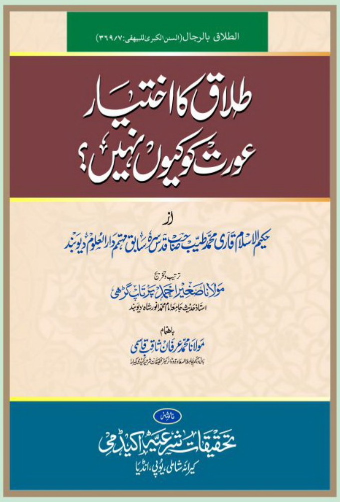

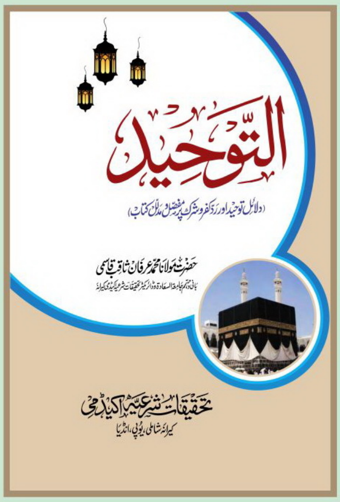

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768